ISSN 2320-6519
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

سرزمین ولی اورنگ آبادی (دکن) سے جاری ہونے والا معیاری رسالہ

گوشۂ
رضا جالنوی
(حیات، فن اور شخصیت)

قارئین کی نیک تمناؤں کے ساتھ

(سہ ماہی)

(اردو)

عکسِ ادب

اورنگ آباد

Quarterly (Urdu)
AKS-E-ADAB
Aurangabad

شمارہ (۴۳) جلد (۱۲) اپریل تا جون ۲۰۲۳ء

اپنے چہرے پہ عبارت کو اُبھرنے مت دو
دور تک دل کی تباہی کی خبر جاتی ہے
(رضا جالنوی)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

April to June 2023
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 12 Issue 43
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

یادگار لمحات

(۲) رضاؔ جالنوی نمبر کی رسم رونمائی کے موقع پر ڈاکٹر خلیل صدیقی، رضاؔ جالنوی کا استقبال کرتے ہوئے۔ ساتھ میں ڈاکٹر صدرالحسن اور نورالحسنین۔

(۷) ''بیاد عارف خورشید'' تقسیم ایوارڈ تقریب میں ایوارڈ یافتہ ارتکاز افضل، رضاؔ جالنوی، سعید زیدی کے علاوہ ڈاکٹر شکیل احمد، نورالحسنین، احمد اقبال، ڈاکٹر عظیم راہی، احمد اورنگ آبادی اور جاوید ندا۔

اقبال اکیڈیمی کے ''ٹاپ ٹین ایوارڈ'' سے سرفراز کئے جانے پر احباب کی جانب سے استقبال۔

(۶) ''بیاد عارف خورشید'' کے موقع پر اعترافِ خدمات کے ضمن میں ڈاکٹر ارتکاز افضل، رضاؔ جالنوی اور صحافی سعید زیدی کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ (دائیں سے) سعید زیدی، رضاؔ جالنوی، احمد اقبال، ڈاکٹر ارتکاز افضل، اسلم مرزا اور احمد اورنگ آبادی۔

(۹) ادارۂ ادب اسلامی ہند کے مشاعرہ کے موقع پر معروف شاعر انتظار نعیم، ڈاکٹر ارتکاز افضل، اسلم مرزا، ڈاکٹر یوسف صابرؔ، رضاؔ جالنوی و دیگر شعراء

(۵) جاوید قریشی سابق کارپوریٹر اور احباب۔ رضاؔ جالنوی کا استقبال کرتے ہوئے۔

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

سہ ماہی

اورنگ آباد

عکسِ ادب

(اردو)

جلد(۱۲) شمارہ(۴۳) اپریل تا جون ۲۰۲۳ء

مدیرِاعلیٰ : ڈاکٹر یوسف صابرؔ (یوسف خان جبارخان) 09326772575

معاون مدیر : شرجیل احمد خان موبائل : 09595686784

اعزازی مدیر : ڈاکٹر نخشب مسعود موبائل : 09372012930

مینیجنگ ڈائریکٹر : سیدہ فرزانہ نسیم موبائل : 09423877584

سرپرست

☆ ڈاکٹر عبدالکریم سالار (جلگاؤں)

☆نورخاں (جالنہ)

مجلس مشاورت

- علامہ ناوکؔ حمزہ پوری (حمزہ پور)
- علیم صباؔ نویدی (چنئی)
- ڈاکٹر معصوم شرقی (کولکتہ)
- ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ
- شفیع احمد شفیع (پربھنی)
- ڈاکٹر درانی ایس۔ایم (ناندیڑ)
- ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)
- علیم طاہر (ممبئی)

مجلس ادارت

☆ڈاکٹر عقیلہ سید غوث

☆سید مسعود احمد قیصر

☆ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق

☆وجاہت قریشی

☆طاہر حسین طاہر

☆ڈاکٹر شاہ ایاز

☆ڈاکٹر حبیب النساء

☆ڈاکٹر سلیم نواز حشر

☆ڈاکٹر ارشاد احمد خان

☆ابراہیم خان

جو کسی خواب نے دیکھا نہ تصور نے کہیں

بات تو جب ہے کہ انسان وہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابر)

فی شمارہ	:	۵۰/روپے
زرسالانہ (بدست)	:	۲۰۰/روپے
زرسالانہ (بذریعہ پوسٹ)	:	۲۵۰/روپے
لائبریری کے لئے	:	۲۵۰/روپے
رجسٹرڈ پوسٹ	:	۳۰۰ روپے
تاحیات خریداری بھارت	:	۳۰۰۰/روپے
بیرونی ممالک	:	۱۰۰۰۰ تا ۱۵۰۰۰ روپے

سرکولیشن منیجر : تنزیل احمد خان (Mob. 09284747707)

خریداری اور اشتہار کے لئے منی آرڈر، چیک اس نام سے بھیجیں :

Yousuf Khan Jabbar Khan
Bank of Maharashtra
S/Ac/ No. 60021185230
IFSC code MAHB 0000278

SBI
S/Ac/No.SB 52068629025
IFSC code SBIN 0020786

مقام اشاعت/ترسیل زر/مضامین/تخلیقات سے متعلق خط و کتاب کا پتہ

Yousuf Khan Jabbar Khan
Editor : **Aks-e-Adab** *(Quarterly)*
P.No.174, S.No.201,
Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada Road,
Harsul, Aurangabad.
Dist. Post AURANGABAD (M.S.) 431008
Mobile : 09326772575
email : akseadab@gmail.com

Website : www.akseadaburdu.com

طباعت

نوری آفسیٹ پریس

مرزا غالب روڈ، جونا فاران اسپتال، مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’’عکسِ ادب‘‘ سے متعلق کوئی بھی قانونی چارہ جوئی اورنگ آباد کی عدالت میں ہوگی۔

ISSN 2320-6519

AKS-E-ADAB *(Quarterly)* Aurangabad.

☆ترتیب و تزئین☆

اداریہ	ڈاکٹر یوسف صابر	۳
اسلامیات	سیدہ فرزانہ نسیم	۴
عکس ایماں	حمد و مناجات اور نعت	۵
(کلیم کنک ، عاجز ہنگن گھائی ، اثر صدیقی ، جمیل انصاری ، شاہ حسین نہری)		
مغز ادب	ڈاکٹر یوسف صابر	۶

☆مضامین

مسعود سعد سلمان: حالات و خدمات	شیخ محمد رفیق	۷
ماہنامہ گگن کا ہندوستانی مسلمان نمبر.....	دانش روانوی	۹
شہر اورنگ آباد میں 'افسانچہ نگاری'.....	ڈاکٹر عظیم راہی	۱۰
تلسی۔مقدس بھی اور مؤثر بھی	ڈاکٹر رفیع الدین ناصر	۱۱
برمحل اشعار اور ان کے ماخذ	خلیق الزماں نصرت	۱۲

خصوصی گوشہ (رضا جالنوی) ۱۳تا۳۸

قلمی تعاون ☆مولانا صدرالحسن ندوی ☆نورالحسنین ☆عظیم راہی ☆احمد خان ایم اے ☆شیخ ہما کوثر ☆ریاض صبا گنجوی ☆عبدالقدیر خان سیفی ☆ڈاکٹر یوسف صابر ☆ڈاکٹر خلیل صدیقی قاضی ☆وجاہت قریشی ☆علیم الدین علیم ☆عبدالواجد یوسف زئی ☆ذکی جالنوی ☆ڈاکٹر سہیل ذکی الدین

☆شاعری ۶۰

ماہیے	شاہ حسین نہری، نذیر فتح پوری، ڈاکٹر یوسف صابر، ط صدیقی، طاہر حسین طاہر شفیع احمد شفیع	۳۹
	غزلیات شعرائے پربھنی مع تعارف	۴۰
	توشیحی نظم (یوسف صابر)، ٹماٹر نامہ (تمیز احمد پرواز)، نظم (علیم صبا نویدی)	۴۱
غزلیں	لیاقت علی خان یاسر جالنوی، شفیع احمد شفیع، خواجہ منیر الدین منیر، بشارت علی خان اختر	۴۲
	مقصود اشرف، سیفی سرونجی، چشتی سلیم بیدر، مجتبیٰ انجم	۴۳
	سید بشیر احمد اسیر شیر الوی	۴۹
	عبدالمقتدر صدیقی ذکی جالنوی، ط صدیقی	۴۴
نظم	منی پور میں۔عبدالواحد جاذب ، سلام۔کوثر پروین کوثر	۴۴

☆خاکہ نگاری۔غلام ثاقب ۴۵

☆افسانچے

ڈاکٹر عظیم راہی، ندیم مرزا، عبداللطیف جوہر، محمد علیم اسماعیل، ارشد صدیقی، عارفہ خالد شیخ، ڈاکٹر یوسف صابر ۴۶

☆مضامین

صادقہ نواب کی نظم نگاری	بشر نواز	۴۷
ڈاکٹر سید شجاعت علی کے رثائی مضامین	ڈاکٹر علی بیات	۴۸
'لہجوں کی مہک' کا سرسری جائزہ	علیم صبا نویدی	۴۹
'قولِ سدید' کی معلوماتی خوشبوئیں	علیم صبا نویدی	۵۰
مجید بیدار ایک پیکر میں کئی تخلیقی خوبیاں	افتخار امام صدیقی	۵۲
وہ میری دہلیز تک آ کر رک گیا ہے	م۔ناگ	۵۴
قصے قدیر سیفی کے (سیفی نامہ)	سہیل بیابانی	۵۵
طنز و مزاح مالیگاؤں کا اڑان پل	ڈاکٹر آصف فیضی	۵۷
کبوتر	معز ہاشمی	۵۸
☆تعارف و تبصرے	ڈاکٹر یوسف صابر	۵۹
☆اخبار عکس ادب	ذکی جالنوی	۶۱
☆خلوص عکس ادب (منتخب خطوط)		۶۳
توجہ طلب بیانِ شاہ		۶۴

☆☆☆

کافی نہیں ہوا و بال و پر جہان میں
کچھ حوصلہ بھی ہوتا ہے لازم اڑان میں
ڈاکٹر یوسف صابر

لائف ممبران

(۱) عتیقہ اطہر موسیٰ	(اورنگ آباد)	(۳۱) سید غازی علی غازی	(جالنہ)
(۲) قاضی خسرو	(اورنگ آباد)	(۳۲) تحسین درانی	(جالنہ)
(۳) ڈاکٹر مسرت فردوس	(اورنگ آباد)	(۳۳) عبدالوہاب (اسسٹنٹ پروفیسر)	(جالنہ)
(۴) ڈاکٹر کیرتی مالنی جاؤلے	(اورنگ آباد)	(۳۴) ڈاکٹر نسیم بیگم	(پربھنی)
(۵) انصاری ابرار احمد	(اورنگ آباد)	(۳۵) ڈاکٹر سلیم محی الدین	(پربھنی)
(۶) مہر سلطانہ جبار قریشی	(اورنگ آباد)	(۳۶) خضر احمد خان شرر	(پربھنی)
(۷) ڈاکٹر عبدالرب	(اورنگ آباد)	(۳۷) حبیب النساء	(پربھنی)
(۸) سید وہاب الحق	(اورنگ آباد)	(۳۸) ڈاکٹر قاضی کلیم	(پربھنی)
(۹) محمد سعید احمد محمد سردار	(اورنگ آباد)	(۳۹) ڈاکٹر شبانہ درانی	(ناندیڑ)
(۱۰) ڈاکٹر فرحت نسرین	(اورنگ آباد)	(۴۰) ڈاکٹر ارشاد احمد خان	(ناندیڑ)
(۱۱) ڈاکٹر شرف النہار	(اورنگ آباد)	(۴۱) شیخ ہما کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر)	(ناندیڑ)
(۱۲) ڈاکٹر معین فاطمہ	(اورنگ آباد)	(۴۲) اظہر احمد غلام یزدانی	(ناندیڑ)
(۱۳) ڈاکٹر مخدوم فاروقی	(اورنگ آباد)	(۴۳) اختر صادق	(ناندیڑ)
(۱۴) مولانا آزاد کالج	(اورنگ آباد)	(۴۴) محمد اختر	(ناندیڑ)
(۱۵) شیخ شہلا سلطانہ	(اورنگ آباد)	(۴۵) ڈاکٹر سید اصفیہ مدنی سید زکریا	(بیڑ)
(۱۶) برہانی نیشنل اردو پرائمری اسکول	(اورنگ آباد)	(۴۶) ڈاکٹر سید فرید احمد نہری	(بیڑ)
(۱۷) ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم	(اورنگ آباد)	(۴۷) ڈاکٹر عظمیٰ تسنیم	(پونہ)
(۱۸) اسماء روحی قادری	(اورنگ آباد)	(۴۸) ڈاکٹر عنبر خاتون	(ہزاری باغ)
(۱۹) شیخ ظہور احمد	(اورنگ آباد)	(۴۹) ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل	(ہزاری باغ)
(۲۰) ابراہیم خان لیاقت خان	(اورنگ آباد)	(۵۰) رشید ضارب	(حیدرآباد)
(۲۱) ڈاکٹر قمر النساء	(خلد آباد)	(۵۱) ڈاکٹر عقیلہ سید غوث	(امبہ جوگائی)
(۲۲) مبین نذیر	(مالیگاؤں)	(۵۲) ڈاکٹر مقبول احمد مقبول	(ادگیر)
(۲۳) مقصود اشرف	(مالیگاؤں)	(۵۳) ڈاکٹر خالد مبشر	(دہلی)
(۲۴) ڈاکٹر شاہ ایاز	(مالیگاؤں)	(۵۴) سید سمیع الدین	(بدر)
(۲۵) ڈاکٹر شاداب روش	(مالیگاؤں)	(۵۵) J.J.T.University	(راجستھان)
(۲۶) انصاری عتیق احمد محمد شعبان	(مالیگاؤں)	(۵۶) محبوب پاشا اعظمی	(چنئی)
(۲۷) سٹی کالج	(مالیگاؤں)	(۵۷) ڈاکٹر نکہت آراء	(شولاپور)
(۲۸) خان عبدالغفار خان کالج	(پاتھری)	(۵۸) شیخ ارم فاطمہ	(نلنگہ)
(۲۹) عالیہ کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر)	(جالنہ)	(۵۹) ڈاکٹر محمد ناصر اللہ انصاری	(لاتور)
(۳۰) ڈاکٹر سلیم نواز حشر جعفرآبادی	(جالنہ)	(۶۰) احمد عباس خان	(ایوت محل)

اداریہ

یہ ضروری نہیں ہر تیر نشاں تک پہنچے
حق ہو آواز تو پہنچا دو جہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابر)

اردو زبان وادب کے فروغ کے لئے یہ دور انتہائی مشکل دور ہے۔ چند محبّ اردو ہیں جنھوں نے اردو زبان وادب کو زندہ وتابندہ رکھا ہے۔ محبت میں نفع، نقصان نہیں دیکھا جاتا۔ نفع، نقصان کی پرواہ تو تجارت میں ہوتی ہے۔ آج کل اردو کی خدمت اور اس سے محبت کی آڑ میں اس کی تجارت ہورہی ہے۔ خصوصاً تعلیمی اداروں میں بڑے ڈرامے ہوتے ہیں، انٹرویو لینے کا دکھاوا کیا جاتا ہے جبکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ گرانٹیڈ پوسٹ کے لئے پرائمری اسکول میں اردو کی پوسٹ کے لئے ۱۰ تا ۱۵ لاکھ روپے دیئے اور لئے جاتے ہیں۔ ہائی اسکول کے لئے ۱۵ تا ۲۰ لاکھ، جونیئر کالج کے لئے ۲۰ تا ۳۰ لاکھ اور سینئر کالج کے لئے ۳۰ لاکھ تا ۴۰ لاکھ کے لین دین کا کاروبار ہورہا ہے۔ جو امیدوار محنتی، ذہین، قابل اور مستحق ہیں وہ دھکے کھاتے پھر رہے ہیں اور جھوٹی آس میں ان کی عمریں ڈھل رہی ہیں۔ یہ رویہ نہ صرف اردو بلکہ دیگر زبانوں اور مضامین کے درس وتدریس سے جڑے افراد کے ساتھ بھی قائم ودائم ہوگیا ہے۔ چونکہ ہمارا تعلق اردو سے ہے اس لئے ہم اسی تعلق سے بات کررہے ہیں۔ اس قسم کے افراد جو اردو سے محبت کرنے کی بجائے اس کی تجارت کررہے ہیں۔ اردو کی نہ صرف روزی روٹی کھا رہے ہیں بلکہ اس سے نفع کمانے کے معاملے میں تمام حدیں تجاوز کررہے ہیں، وہ اس کے بدلے میں اردو زبان وادب کو نہایت کنگال، معذور اور ذلیل کررہے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر تعلیمی ادارے اردو رسائل وکتب کو خریدنے کی بجائے تحفے میں حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اردو کے ٹیچرس جن کی تنخواہیں ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہیں اردو رسائل وکتب کی خریداری سے زیادہ خرچ سگریٹ پینے اور تمباکو وپان کھا کر تھوکنے پر کررہے ہیں۔ اکثر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو رسائل کی خریداری بند ہوتی جارہی ہے۔ اس وقت اردو کی زندگی اور ترقی کے لئے نہایت مشکلات ہیں۔ یہ صورتحال کب بدلے گی، اسے بدلنے کے لئے کون آگے آئیں گے یا پھر حالات ایسے ہی رہیں گے یا اس سے بھی زیادہ خراب ہوں گے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا۔

خاکسار

ڈاکٹر یوسف صابر

مدیر اعلیٰ

سہ ماہی 'عکس ادب' اردو (اورنگ آباد)

☆☆☆

﴿دینی معلومات﴾

شیطان اذاں سن کر گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لئے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا اِتنی دور بھاگ جاتا ہے کہ اذان نہیں سنتا، جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ پھر جب نماز کے لئے اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ جب اقامت مکمل ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے اور انسان اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہو کر وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ (نمازی کو) کہتا ہے: تو فلاں کام یاد کر، فلاں کام یاد کر، وہ کام جو اسے پہلے یاد نہیں ہوتے (وہ یاد کراتا ہے) نتیجتاً آدمی ایسی حالت میں ہو جاتا ہے کہ اسے پتہ نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھ لی ہے۔

(بخاری:۶۰۸، مسلم:۸۵۹، ۱۲۶۷، داؤد:۵۱۶، نسائی:۶۷۱، مسند احمد:۱۲۶۰)

ان کفار کے نام جو قرآن مجید میں صراحۃً مذکور ہیں

'قارون' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کے باپ کا نام یصور تھا۔ جالوت قوم عمالقہ کا بادشاہ تھا جس کو حضرت طالوت کی فوج میں سے حضرت داؤد علیہ السلام نے قتل کیا۔ 'ہامان' یہ فرعون کا وزیر تھا۔ آزر بت تراش تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام انہی کے بیٹے ہیں اور بقول بعض بھتیجے اور بعض اہل تفسیر کے نزدیک آمر لقب ہے اور نام نارغ تھا۔ ابولہب، عبدالمطلب کے بیٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی کنیت ہے اور نام عبدالعزی ہے۔ یہ حضورؐ کے بہت سخت دشمنوں میں سے تھا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ قبیلہ بنی کنانہ کے اس سردار کا نام ہے جو مہینوں کو آگے پیچھے کر کے ماہ محرم کو کسی سال ماہ صفر کر لیتا تھا، کیونکہ محرم میں جنگ حرام سمجھتا تھا اور اس کو ان دنوں میں جنگ کرنی ہوتی تھی۔ 'بشری' یہ بھی بعض کفار کے نزدیک ایک کافر کا نام ہے جو اس قافلہ میں تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا تھا۔ جنات میں سے صرف ایک کافر کا نام قرآن میں ہے یعنی شیطان۔ پہلے اس کا نام عزازیل تھا اور کنیت ابوکردوس یا ابوفترہ یا ابومرہ اور اب شیطان ہی کے نام سے مشہور ہے۔

(ماخوذ: تفسیر قرآن)

از : سیدہ فرزانہ نسیم (اورنگ آباد)
9326772575

عکسِ ایماں

حمد

کلیم کسکؔ (پربھنی)
موبائل : 9890959642

روشنی کا ظہور تجھ سے ہے
سارے عالم میں نور تجھ سے ہے

تو تو ہے لم یلد ولم یولد
پر یہ کنبہ ضرور تجھ سے ہے

تو قریں ہے میری تو شہ رگ سے
اور بندہ یہ دور تجھ سے ہے

تیرا جلوہ جلال کیا کہنا
جل گیا کوہِ طور تجھ سے ہے

چاند تارے تجھی سے ہیں روشن
شمس میں نار و نور تجھ سے ہے

شعر مہکے تری رضا سے ہی
مجھ کو فن پر غرور تجھ سے ہے

نعت پاک

عاجزؔ ہنگن گھاٹی

گر زندگی میں دید کی ساعت نہ آئے گی
بے چین روح میری مدینے کو جائے گی
وہ آئیں گے جب حشر میں بخشش کے واسطے
امت تمام شکر کے سجدے لٹائے گی
میں عاشقِ نبیؐ ہوں دمِ نزع دیکھنا
رحمت کی بدلی گھِر کے مرے گھر پہ چھائے گی
دل کو یقیں ہے حسرتِ دیدار کی طلب
روئے نبیؐ کبھی تو تصور میں لائے گی
لے جائے گی درودوں کی خوشبو سمیٹ کر
جب مجلسِ نبیؐ سے ہوا اٹھ کے جائے گی
کیسے نہیں کھلے گا بھلا بابِ مدعا
صلِّ علیٰ پڑھو تو دعا سر اٹھائے گی
عاجزؔ فنا کے بعد مری قبر دیکھنا
انوارِ مصطفٰے سے سراسر نہائے گی

نعت پاک

اثر صدیقی (مالیگاؤں)
موبائل :9270057077

مشعلِ حقؐ نے حرا کا غار روشن کردیا
نورِ اقراء سے رخِ کردار روشن کردیا
اُس کے ہر نقشِ قدم میں ہے ستاروں کا ہجوم
نور صحرا سے چلا گلزار روشن کردیا
اُس نے محسوسات میں وہ قمقمے روشن کئے
جس نے پیراہن کا اک اک تار روشن کردیا
بے گماں اُس نے بڑھادیں آنسوؤں کی قیمتیں
جس سخی نے درد کا بازار روشن کردیا
لو ! کسی کے واسطے وہ ''گنبدِ بے در'' کھلا
لو! کسی نے عرش کا دربار روشن کردیا
ایسے سورج کا سفر ہے آج شہرِ ذات میں
جس نے اک اک روزنِ اظہار روشن کردیا
تربیت کی نرم خو میرے معلمؐ نے اثرؔ
اُس نے میرا لہجۂ گفتار روشن کردیا

مناجات

جمیلؔ انصاری (مالیگاؤں)
موبائل : 9273822969

بہت ہی تند ہیں، بہکی ہواؤں سے بچا یارب
مجھے دنیا کی شوریدہ گھٹاؤں سے بچا یارب
میں اک زخمی پرندہ ہوں نہیں ہے تاب اُڑنے کی
مرے شہ پر کو رنجیدہ فضاؤں سے بچا یارب
مرے سینے میں رکھ کر تو قناعت ،صبر، ہمدردی
پریشاں کن روایت کی اداؤں سے بچا یارب
مرے قلب و نگاہ و ذہن کو کردے منور تو
اندھیری رات کی کالی بلاؤں سے بچا یارب
ریاضت اور صداقت پر مجھے کامل یقیں دے دے
خیالِ خام کی اونچی صداؤں سے بچا یارب
ڈبو پائے نہ مجھ کو بحرِ عصیاں ، التجا یہ ہے
مجھے چھوٹی بڑی ساری خطاؤں سے بچا یارب
عطا کر اپنی جنت اس جمیلؔ بے نوا کو تو
جہنم کی تپش سے اور سزاؤں سے بچا یارب

حمدیہ ودعائیہ ماہیے

شاہ حسین نہری (اورنگ آباد)

اللہ خدا اپنا
اپنے محمدؐ کو
مطلوب فقط تقویٰ

☆

اللہ ترا احساں
خوب کہیں یوسف
ہو شاہِ سخن ذیشان

مغزِ ادب

ڈاکٹر یوسف صابر(اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

☆تنقید کے لغوی معنی پرکھنا یا بھلے برے کا فرق کرنا۔

☆ادب میں کسی کام کے محاسن اور معائب کا صحیح اندازہ قائم کرنا اور اس پر کوئی رائے دینا تنقید کہلاتا ہے۔

☆انگریزی میں تنقید کے لئے Criticism کا لفظ ہے جس کے اصلی معنی عدل یا انصاف ہے۔

☆ہڈسن کے قول کے مطابق ادبی نقاد اسے کہتے ہیں جس میں کسی فن پارے کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔

☆تنقید نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ فنی تخلیقات میں سموئے ہوئے مفاہیم کو بے نقاب کرے۔

☆تنقید اس فن کا نام ہے جو ادب کو جانچے پرکھے اور اس کی اصلیت و اہمیت کا پتہ لگائے۔

☆تنقید ادب کو جانچنے پرکھنے کا آلہ ہے۔

☆ میتھو آرنلڈ کے مطابق دنیا میں جو بہتر باتیں سوچی اور معلوم کی گئی ہیں ان کے جستجو کی ایک والہانہ خواہش کا نام تنقید ہے۔

☆تنقید کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ایک میں زندگی کی اقدار کا پتہ لگایا جاتا ہے، دوسرے میں ادب کی فنی اور جمالیاتی اقدار کی جستجو کی جاتی ہے۔

☆ جمالیات فلسفے کی ایک شاخ ہے۔

☆جمالیات انگریزی لفظ Aesthetic کا ترجمہ ہے۔

☆ آرٹ نیچر یا فطرت کی نقل ہے۔

☆افلاطون کے مطابق حسن اچھائی کا عکس ہے۔

☆فنون لطیفہ کا حسن سے گہرا تعلق ہے۔بغیر حسن کے فنون لطیفہ کو فنون لطیفہ نہیں کہا جا سکتا۔

☆ادب میں حسن کی تلاش ضروری ہے کیونکہ حسن کی اقدار ہی ادب کو ادب بناتی ہیں۔

☆ سائنٹفک تنقید ادبی تخلیقات اور فنکار سے متعلق تمام پہلوؤں پر بحث کرتی ہے اور اس زمانے کے سماجی حالات اور مروجہ خیالات کی روشنی میں ان کی اہمیت کا پتہ لگاتی ہے۔

☆ ٹین (Taine) سائنٹفک تنقید کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔

☆ جمالیاتی تنقید سائنٹفک تنقید ہے۔

☆ تنقیدی نظریات پیش کرنے والی سب سے پہلی کتاب ارسطو کی ''فن شاعری'' ہے۔

☆ پہلا شخص جس نے تنقید کی طرف مستقل توجہ کی ہے وہ ارسطو ہے۔

☆ انگلستان میں ڈرائیڈن نے سب سے پہلے کلاسیکیت کے خلاف آواز اٹھائی۔

☆مشرق میں تنقیدی نظریات کا کوئی منظم، مسلسل اور مربوط سلسلہ نہیں ملتا۔

☆حسن کا تعلق ادب برائے ادب اور افادیت کا تعلق ادب برائے زندگی سے ہے۔

☆ ادب اور فن کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ایک سماجی یا افادی اور دوسرا فنی یا جمالیاتی اور تنقید کے لئے ان دونوں پہلوؤں کی تلاش ضروری ہے۔

☆لیسنگ اور ہرڈر رومانی تنقید کے سب سے بڑے علم بردار ہیں۔اس تنقید کے لئے کولرج، ورڈس ورتھ، مادام دی اسٹیل خاص طور پر مشہور ہیں۔

☆لیسنگ کے مطابق ادب کو قومی و ملکی ذہانت و فطانت کا مظہر ہونا چاہئے۔

☆ اردو تنقید کی روایات کی عمارت عربی و فارسی کی تنقیدی روایات کی طرح معانی و بیان کی اصطلاحات پر کھڑی ہے۔

☆مشاعروں کا سلسلہ اردو میں ابتداء سے ملتا ہے،نشر و اشاعت کے معقول ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے ان کا رواج ہوا۔

☆ قدیم دور میں مشاعروں میں شعراء کو صرف سراہا نہیں جاتا تھا بلکہ ان کے کلام پر اعتراضات بھی ہوتے تھے اور یہ اعتراضات اس کثرت سے ہوتے تھے کہ کوئی مبتدی شاعر اس وقت تک شعر سنانے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا جب تک اس کا کوئی استاد کوئی مسلم الثبوت شخص نہ ہوتا تھا۔

☆اردو منظومات میں بھی تنقیدی عناصر ملتے ہیں۔

☆اردو میں تذکرہ نویسی کا رواج فارسی کے زیر اثر ہوا۔

☆ تذکروں میں تنقیدی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔

☆ نکات الشعراء میر تقی میر کا تذکرہ ہے جو اردو کا سب سے اہم قدیم تذکرہ مانا جاتا ہے۔

☆ اردو کے قدیم تذکرے چار عناصر سے مرکب ہیں۔(۱) شاعروں کے کلام پر رائے۔(۲) فارسی شاعروں سے مقابلہ (۳) کلام پر اصلاح (۴) اس زمانے کی ادبی تحریکوں پر اشارے۔

☆میر کے تذکرے میں تنقید کی صاف گوئی ملتی ہے۔

☆''تذکرہ شعرائے اردو' میر حسن کا تذکرہ ہے۔

☆قدیم تذکروں میں تنقید ہے لیکن اجمال کے ساتھ معیار ہیں لیکن آج کل کے معیاروں سے مختلف ہیں۔

(جاری)

مسعود سعد سلمان: حالات وخدمات

(Masud Saad Salman: Life and Works)

شیخ محمد رفیق محمد حسن
Assistant Professor
Department of Persian and Urdu
School of Languages
Gujarat University Ahmedabad, Gujarat

☆تمہید (Abstract)

مسعود سعد سلمان ایک عظیم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا ایک مشہور شریف زادہ اور امیر تھا۔ اپنے ساتھی شعراء کے لیے اس کی فراخدلی بہت مشہور تھی۔ صرف ایک رباعی یا قطعہ کے لیے وہ اونٹوں سے لدی ہوئی دولت دے دیا کرتا تھا۔ عوفی اپنی تصنیف میں اسے امیروں کے درمیان جگہ دینے کی بجائے غزنہ اور لاہور کے شعراء کا تذکرہ کرنے والے باب میں جگہ دینے کے لیے معذرت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اسے مناسب طور پر ان امراء کے باب میں جگہ دی جانی چاہیے تھی لیکن چونکہ اس کے اشعار کسی بھی دوسرے شاعر کے اشعار سے بہتر ہوئے ہیں اس لیے اسے طبقہ شعرا کے درمیان جگہ دی گئی ہے۔ اس کی دولت کے سبب اکثر تذکرہ نویسوں نے اسے امیر کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اس مضمون میں مسعود سعد سلمان کی حیات وخدمات کا مختصر اً ذکر کیا گیا ہے۔

☆تعارف (Introduction)

مسعود کے والد کا نام سعد اور سلمان اس کے دادا کا نام تھا۔ عوفی کے مطابق مسعود کے والد کو سعد الدولہ کا خطاب حاصل تھا۔ مسعود کا خاندان دراصل ہمدان کا تھا۔ مسعود نے اس بات کی وضاحت اپنے ایک شعر میں اس طرح سے کی ہے۔

گر دل بطمع بستم شعر است بضاعت
ور احمقی کردم اصل از همدانست[1]

مسعود کے اشعار سے اشارہ ملتا ہے کہ مسعود کے خاندان کے افراد غزنویوں کے یہاں کئی پشتوں سے ملازمت میں تھے۔

مسعود کے والد سعد کم از کم ساٹھ برس تک غزنہ کے سلاطین کی ملازمت میں بہ حیثیت ایک منتظم اور امیر کے اپنی خدمات کو انجام دیتے رہے۔ اس بات کا ثبوت مسعود سعد بن سلمان کے مندرجہ ذیل اشعار سے ملتا ہے۔

شصت سال تمام خدمت کرد
پدر بندہ سعد بن سلمان
گہ باطراف بودی از عمال
گہ بدرگاہ بودی از اعیان[2]

مسعود کی جائے ولادت کے بارے میں تذکرہ نویسوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ چہار مقالہ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ لباب الالباب کے مطابق وہ ہمدان کا باشندہ تھا۔ اسے غزنہ کا شاعر مانا جاتا ہے۔ دولت شاہ تذکرۃ الشعراء میں اسے جرجان کا بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ مسعود نے منوچہر بن قابوس کے دور میں عروج حاصل کیا۔ لیکن خود مسعود کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ مسعود لاہور میں پیدا ہوا۔ علامہ محمود قزوینی کا بھی خیال ہے کہ مسعود کی جائے پیدائش لاہور ہے۔ مسعود اپنے اشعار میں لاہور کا ذکر کچھ اس طرح سے کرتا ہے۔

ای لاوہور ویحک بی من چگونہ ای
بی آفتاب روشن روشن چگونہ ای
ناگہ عزیز فرزند از تو جدا شد است
با دردِ او بانوحہ و شیون چگونہ ای[3]

مسعود سعد سلمان کے اشعار کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ مسعود نے اپنے والد کے توسط سے سلطان ابراہیم غزنوی کے عہد حکومت (۴۵۰۔۴۹۲) میں غزنوی دربار میں رسائی حاصل کی۔ دیوان میں شامل کم از کم پانچ قصاید اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مسعود سلطان ابراہیم کے دربار سے منسلک تھا۔ (۴)۴۶۹ ھجری میں جب سلطان ابراہیم نے اپنے بیٹے سیف الدولہ محمود کو ہندوستانی مفتوحات کا والی مقرر کیا تو مسعود بھی اس کے ساتھ ہندوستان گیا۔ مسعود کا شمار بھی بڑے امراء میں ہوتا تھا اور وہ بھی جنگ و فتح میں شریک رہتا تھا۔ اس کے علاوہ شاعر ہونے کی وجہ سے سیف الدولہ کی شان میں قصاید بھی نظم کرتا تھا۔

بدقسمتی سے ۴۸۰ ہجری میں سیف الدولہ محمود ہندوستان کے والی کی حیثیت سے معزول کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ سیف الدولہ کے ساتھ اس کے تمام احباب کو بھی قید میں ڈال دیا گیا۔ ان میں مسعود بھی شامل تھا۔ مسعود کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ اسے قلعۂ سو اور دھک میں ۷ اور قلعہ نای میں ۳ سال تک قید میں رہنا پڑا۔ مسعود کے ایک شعر سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔

ہفت سالم بکوفت سو و دھک
پس از آنم سہ سال قلعۂ نای[4]

مسعود نے سیف الدولہ کی تعریف میں بہت سے قصاید لکھے ہیں۔ یہ قصاید بڑی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں 'کیونکہ وہ سیف الدولہ کے متعدد بہادرانہ کارناموں اور لاتعداد فتوحات کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ تاریخی کتابوں میں سیف الدولہ محمود کی زندگی اور کارناموں کا کوئی ذکر نہیں ہے' تاہم مسعود کے قصائد خوش قسمتی سے اس کی زندگی سے متعلق متعدد تفصیلات پر خاصی روشنی ڈالتے ہیں۔

☆مسعود سعد سلمان کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ :

مسعود نے قصیدہ گوئی میں عنصری اور لبیبی کی پیروی کی ہے۔ بقول خسرو کمال الدین اسمٰعیل، معزی اور ظہیر الدین نیشاپوری سب کے سب مسعود کے طرز کے نقال تھے۔ سنائی اور معزی کے ساتھ ساتھ سبھی ہمعصر شعرا

مسعود سعد کی افضلیت کو تسلیم کرتے تھے۔ معزی کی ایک بہت ہی عمدہ نظم جسے تقی الدین کاشی نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے جس میں معزی نے مسعود سعد کی فنکاری کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ ان کے علاوہ رشیدی سمرقندی اور عثمان غزنوی بھی مسعود کی برتری کو تسلیم کرتے تھے۔

مسعود سعد سلمان ان کمیاب شخصیتوں میں سے ایک ہے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور بلا شبہ وہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے عظیم ترین شاعروں میں سے ایک ہے۔ شاعر کی حیثیت سے مسعود سعد سلمان کی تخلیقی قوت' اس کی نادر اور با تدبیر ذہانت کا سارے فارسی اور غیر فارسی نقادوں نے اعتراف کیا ہے۔ اس کے اپنے زمانے میں بھی ایران کے شاعروں کے درمیان اس کا کوئی حریف نہ تھا۔ ایران کے کچھ عظیم ترین شاعروں کے لئے جو اس کے بعد آئے وہ تخلیقی تحریک کا ذریعہ رہا ہے۔

مسعود سعد سلمان خاص طور سے اپنے قصائد اور مراثی کے لئے مشہور ہے۔ موخر الذکر درجہ میں اس کی وہ تمام نظمیں شامل ہیں جن میں وہ اپنے مختلف قید خانوں میں جن میں وہ محبوس تھا' اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے۔ یہ نظمیں ''حبسیات'' کے نام سے معروف ہیں۔ قصیدہ میں وہ استاد ابوالفرج رونی پر سبقت نہیں لے جا سکا لیکن حبسیات میں وہ تنہا اور بلا مقابلہ ہے۔ رشید وطواط مسعود کی حبسیات کی بڑی تعریف کرتا تھا۔ رشید الدین وطواط کہتا ہے کہ حبسیات میں ''فارسی زبان کا کوئی شاعر مسعود سلمان کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا۔

مسعود کے قصائد دو طبقوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں یعنی وہ جو اس نے اپنی پہلی قید سے قبل کہے اور وہ جو اس نے اپنی تمام قید سے رہائی کے بعد کہے۔ اس کے قصائد کے ان دو طبقوں میں نمایاں فرق ہے' وہ جو اس نے قید خانہ میں جانے سے پہلے لکھے' خوشی اور امنگ سے بھرپور ہیں۔

وہ قصائد جنہیں اس نے اپنی پہلی اور دوسری قید سے رہائی کے بعد کہے بالکل مختلف ہیں۔ ان میں حزن و ملال اور زوردار یاسیت پائی جاتی ہے۔ قید کی زندگی نے ہر طرح سے مسعود کو کچل ڈالا۔ وہ اپنے متعصّب دشمنوں کے بغض اور بہتان پرور بدخواہوں کے الزامات کے ذریعہ پریشان کیا گیا۔ فطری طور پر اس کے قصائد میں بھی اداسی اور یاسیت ظاہر ہوئی۔

صنائع لفظی کے استعمال میں باریکی پیدا کرنے اور مصنوعی تدابیر پر ہنر صرف کرنے کا رجحان جو بعد کے دور کی نمایاں خصوصیت رہی ہے' اس کے قصیدوں میں کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ صحیح ہے کہ مسعود کے قصائد کبھی کبھی مظلوم دماغ کی یاسیت اور حُزن و ملال کو ظاہر کرتے ہیں۔ مسعود کے قصائد کی روانی یقیناً زبان پر اس کی عظیم قدرت کے باعث ہے۔ مسعود کے تمام قصیدوں میں تشبیہات و استعارات کا فطری پن اور اسلوب کی شگفتگی زبان و بیان پر اس کی مہارت کو ظاہر کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ مسعود سعد سلمان کے آبا و اجداد ہمدان سے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے محمود کے والد سعد بن سلمان کو قلعۂ لاہور مستحکم کرنے کے لئے لاہور بھیجا اور وہیں مسعود سعد سلمان کی پیدائش ہوئی۔ حصول تعلیم سے فراغت کے بعد مسعود نے اپنے والد کے توسط سے سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار میں رسائی حاصل کی اور سلطان کی مدح میں قصائد نظم کئے۔ حاسدوں نے سیف الدولہ محمود کے خلاف سلطان ابراہیم سے شکایت کی جس کے نتیجے میں سلطان ابراہیم نے سیف الدولہ محمود کے ساتھ اس کے تمام دوست احباب کو بھی قید کر دیا جس میں مسعود سعد سلمان بھی شامل تھے۔ لہٰذا مسعود نے آٹھ سال قلعہ سو اور دھک میں قید و بند میں گذارے اور تین سال قلعۂ نای میں۔ سلطان ابراہیم کی وفات کے بعد جب مسعود بن ابراہیم تخت نشین ہوا تو اس نے مسعود سلمان کو قید سے رہا کر دیا۔ جب عضد الدولہ شیر زاد کو ہندوستان کا والی مقرر کیا گیا تو اس کے ساتھ ابونصر فارسی کو وزیر مقرر کیا گیا۔ مسعود سعد سلمان کے ابونصر فارسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ لہٰذا ابونصر فارسی نے مسعود کو جالندر کا گورنر مقرر کیا۔ لیکن جلد ہی ابونصر کے خلاف سازش کی گئی اور وہ معزول کر کے قید کر لئے گئے چنانچہ مسعود کو بھی دوبارہ مقید کر کے قلعۂ مرنج میں رکھا گیا اور طویل عرصے کے بعد طاہر ثقۃ الملک کے کہنے پر قید سے رہا کیا گیا۔ دوسری مرتبہ قید سے رہائی کے بعد سلطان مسعود نے مسعود سعد سلمان کو شاہی کتابخانہ کا کتابدار مقرر کیا اور پھر مسعود کے بیٹے عضد الدولہ شیر زاد بن مسعود' ملک ارسلان بن مسعود اور بہرام شاہ بن مسعود کے عہد حکومت میں کتابدار کے عہدہ پر فائز رہا۔ جیسا کہ مسعود نے اپنے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے اسّی سال کی عمر میں وفات پائی اور لاہور میں دفن ہوئے۔ یوں تو مسعود نے فن شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی لیکن ان کا اصل میدان قصیدہ تھا۔ ☆

☆ حوالہ جات

(۱) دیوان مسعود سعد سلمان' مرتبہ ناصر ہیرّی' تہران ۱۳۴۲ ہجری' پیش گفتار' ص' بیست و چہارم

(۲) "

(۳) "

(۴) " ص بیست و پنجم

☆ کتابیات

(۱) تاریخ ادبیات در ایران' جلد دوم' تالیف دکتر ذبیح اللہ صفا' تہران۔ ۲۵۳۶ (۲) مختصری در تاریخ تحول نظم و نثر فارسی' تالیف دکتر ذبیح اللہ صفا' تہران۔ ۱۳۵۳ (۳) فرہنگ شاعران زبان فارسی' تالیف عبدالرفیع حقیقت (رفیع) تہران۔ ۱۳۶۸ (۴) پارسی گویان ہند و سند' دکتر ہرومل سدارنگانی' تہران ۲۴۳۵ (۵) تاریخ ادبیات ایران' ڈاکٹر رضا زادہ شفق' اردو ترجمہ سید مبارز الدین رفعت' دہلی ۲۰۰۵ (۶) صنادید عجم' مہدی حسین ناصری' الہ آباد ۱۳۴۲ ہجری

☆☆☆

ماہنامہ گگن کا ہندوستانی مسلمان نمبر۔ایک جائزہ

(ساتویں قسط)

محمد احمد دانش روانوی (بجنور)

موبائل : 9759418047

موضوعی گوشہ دوم زیرعنوان ''بہر ملاقات'' جوانٹرویو کے تاثرات پر مبنی ہے۔اس میں پہلے انٹرویو جو بال ٹھاکرے نے بعنوان 'پہلے ہندوستانی بعد میں مسلمان' میں مذہب کو انفرادی زمرے میں رکھتے ہوئے قومی معاملات سے الگ رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔مذہبی معاملات پر قومی معاملات کو ترجیح دی ہے ،اور مذہبی مفادات کو قومی مفادات پر قربان کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

شمیم احمد شمیم کے انٹرویو میں جو مرکزی تاثر ابھر کر آیا ہے۔اس کو ''کئی سرسیدوں کی ضرورت ہے'' کے زیر عنوان احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔جس میں موصوف نے قومی ہم آہنگی ، ذہنی وفکری وسعت کے ساتھ برادران وطن پر زور دیا ہے کہ اقلیتوں کو قومی دھارے میں لانے کے لیئے انہیں ترقی کے مساوی مواقع کی فراہمی کی ضرورت ہے۔اقلیتوں کی ترقی کے بغیر ملک ترقی نہیں کرسکتا۔

حمید دلوائی کا انٹرویو جسے ''روح کا زخم'' کا عنوان دیا گیا ہے ۔اس میں قومیت کی تشریح کرتے ہوئے تصورِ قومی کے تحت ملک میں آباد سبھی مذہبی فرقوں کے اتحاد پر زور دیا گیا ہے۔مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے کسی علاحدہ جماعت یا تنظیم کی تشکیل سے مسائل کا حل ہونا ممکن نہیں ،اردو اور مسلم یونیورسٹی کو علاقائی مسائل کے ذیل میں رکھا گیا ہے۔جس سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا ،تمام اوقاف کو سرکاری کنٹرول میں دے کر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیئے ان کا تصرّف مشکل ہے۔

حافظ یوسف دہلوی کے انٹرویو زیرعنوان ''ترقی قلّت خرچ سے ممکن ہے، کثرت آمدنی سے نہیں''، میں محنت، ہمت ،لگن اور دیانت داری کو تمام کامیابیوں کی شاہ کلید بتایا گیا ہے ۔''قومی یکجہتی'' کے عنوان سے لیئے گئے کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے انٹرویو میں موصوف نے اردو کے عناصرِ ترکیبی کے داخلی اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے جدید اور ترقی پسند شاعری کے رجحانات پر توضیح اظہار خیال کیا ہے۔

دیوان آنند کمار نے اپنے انٹرویو ''منوسمرتی اور مارکسزم'' میں تمام مذہبی فرقوں کو انفرادی طور پر معاشی ، سماجی ،سیاسی تمام پہلوؤں کے اعتبار سے پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کئے جانے پر زور دیا ہے ان کے وژن کے مطابق جس قومی دھارے کی بات کی جاتی ہے وہ نظریہ کمیونزم ہے جو کبھی کامیاب نہیں ہو پایا ہے۔

وی شنکر کا انٹرویو ''مسلمان اور سرکاری ملازمتیں'' میں صاحبِ انٹرویو نے مسلمانوں کو اپنی صلاحیتوں اور محنت کے بل پر آگے بڑھنے کا مشورہ دیتے ہوئے تحفظاتی مراعات کے حصول سے قطع نظر مسابقتی دوڑ میں بنے رہ کر ملازمتوں کے حصول کا مشورہ دیا ہے۔

ناشاد دہلوی نے اپنے انٹرویو بعنوان ''نامانوس زبانیں'' میں ہندی میں سنسکرت کے مشکل الفاظ کی آمیزش کے ساتھ ثقلِ زبان کو عوامی غیر مقبولیت کا سبب بتاتے ہوئے اردو میں بھی عربی اور فارسی زبانوں کے مشکل الفاظ کی آمیزش کو عوام میں عدم

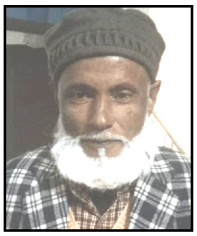

مقبولیت کا سبب گردانا ہے اور دونوں ہی زبانوں کے سہل اور سلیس اسلوب اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔

مشہور فلم کہانی کار سلیم خان (سلیم جاوید) کے انٹرویو ''یوگ ایک عبادت'' میں موصوف نے باعتبار مذہب مخصوص طریقۂ عبادت کے ساتھ پابندی عبادت کو جسمانی اور روحانی صحت وسکون کا ذریعہ بتایا ہے۔

مذکورہ خاص نمبر کا تیسرا کالم ''آنے والے سحر کی ضو میں ہم'' میں جو سات تفصیلی مضامین اور صفحہ 182 تا 196 تک 15 صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں ہندوستانی معیشت میں مسلمانوں کا مستقبل از مجید مرزا تاباں علاقائی زبان اور مسلمان از علاء الدین جینا بڑے ''قول وفعل کی بداعمالیاں'' از انور قمر، اسیم کاویانی کا مضمون ''اس زہر بھری دنیا میں جنہیں اپنا بھی مرض معلوم نہیں'' صادق علی کا تحریر کردہ ''مسلمانوں کے معاشی مسائل'' جمال خیر گل کا مضمون ''مسلم نوجوانوں کا المیہ'' اور خالد عرفان نے ''گہری اور مضبوط بنیادیں'' وغیرہ عنوانات کے تحت مذکورہ موضوعات پر اپنے زاویہ ہائے نظر سے تحریریں قلم بند کرتے ہوئے مسلمانوں کے مسائل پر منضبط اور معروضی بحث کی ہے۔مذکورہ کالم کے چند منتخب مضامین کے جائزے کو اجمالاً ضبط تحریر میں لاتے ہوئے اگر ہم ان کی نشاندہی نہ ہی کریں تو اسیم کاویانی نے اپنے مضمون ''اس زہر بھری دنیا میں جنہیں اپنا بھی مرض معلوم نہیں'' میں زمانی تقاضوں کے مطابق ملک وقوم کی وفاداری ، مشترکہ کلچر وسماجی ہم آہنگی پر زور دیا ہے۔

(جاری)

شہر اورنگ آباد میں 'افسانچہ نگاری' کا رجحان ___ ایک اجمالی جائزہ

قسط سوم

ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9370992203

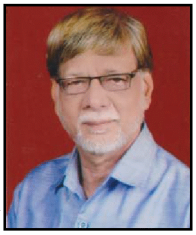

اور یہ امید ظاہر کرتے ہیں :

''عظیم راہی کے اس مجموعہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ منی افسانوں کا مستقبل آج کے اچھے منی افسانہ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہے۔'' (ص ۱۵)

'پھول کے آنسو' میں جملہ ۸۰/افسانچے شامل ہیں۔ ہر منی افسانہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتا ہے۔ اپنے اطراف کے حالات کی عکاسی ملتی ہے۔ ٹوٹتی قدروں اور تہذیب کی پائمالی کا نوحہ اور مشینی زندگی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے حسی ان کے منی افسانوں کے خاص موضوعات ہیں۔ ان منی افسانوں پر جوگندر پال نے پیش گوئی کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کی ہے کہ :

''اس کتاب کے بعض افسانچے اس امید کا جواز پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنے پیہم مطالعہ' مشاہدہ اور شرکت سے افسانچہ کے فنی رموز سے بخوبی آشنا ہو کر اپنی مختصر تحریروں میں نہایت پُرگو معلوم ہونے لگے گا۔''

(فلیپ کی تحریر سے ایک اقتباس)

قاضی سلیم 'پھول کے آنسو' کی ان لفظوں میں تعریف کرتے ہیں :

دراصل ضمیر کو جھنجھوڑنے کا کام جدید ادیبوں نے شروع کیا تھا' اب جدید ادیبوں نے اس سے زیادہ agressive انداز اپنا لیا ہے۔ عظیم راہی کے منی افسانے ادب کا یہی فکشن پورا کرتے ہیں۔ تضادات کی نقاب کشائی اور آئینہ بھی دکھانے کا کام بڑی بے دردی سے کرتے ہیں۔''

(پھول کے آنسو' کے رسم اجراء کے موقع پر پڑھے گئے مضمون سے' جو بعد میں ماہنامہ اسباق پونا کے سلور جبلی نمبر جولائی تا دسمبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔ ص ۱۹۱)

نثار اعظمی کے رائے میں :

''فنی اور نظریاتی بحث کے قطع نظر 'پھول کے آنسو' خاصے کی چیز ہے۔ جن منی افسانوں کو توجہ اور دلچسپی سے پڑھا جائے گا' ان کہانیوں میں بے شک فنکار کے عمیق مطالعہ اور گہرے مشاہدے کو دخل ہے اور اس کی پیشکش بری نہیں' بلکہ اپنی کوشش میں وہ کامیاب ہے۔''

(تبصرہ پھول کے آنسو۔ مطبوعہ معلم اردو لکھنو۔ اپریل ۱۹۸۸ء)

'پھول کے آنسو' کے ایک عرصے بعد ۲۰۰۲ء میں عظیم راہی کے افسانچوں کا دوسرا مجموعہ 'درد کے درمیان' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے پر بڑی تعداد میں ملک کے موقر رسائل و جرائد میں تبصرے شائع ہوئے۔ سلیم انصاری اس کتاب کے تبصرے میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں :

''میرے نزدیک عظیم راہی انسانی ہمدردیوں کے تخلیق کار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھیں درد کے درمیاں ایک لذت آگیں تخلیقی سرشاری کا احساس ہوتا ہے۔ اُن کی چھوٹی چھوٹی کہانیاں پڑھیں تو انداز ہوتا ہے کہ ہم بھی انہی کہانیوں سے روز و شب گذر رہے ہیں بلکہ انہی کہانیوں کا حصہ ہیں۔ عظیم راہی کے یہاں موضوعات کا تنوع ہے' احساس کی شدت ہے' اظہار کی بے ساختگی اور برجستگی ہے' اسلوب کا اچھوتا پن ہے اور یہ تمام ایسی خوبیاں ہیں جو کسی تخلیق کار کو نئے تخلیقی موسموں اور منظروں سے ہمکنار کرتی ہے۔ عظیم راہی 'درد کے درمیاں' کے منی افسانوں کو برتنے میں اس اعتبار سے کامیاب ٹھہرے ہیں کہ اُن کے یہاں کہنے کو بہت کچھ ہے اور کہنے کے لیے اظہار کی سلیقہ مندی بھی ہے۔'' (مطبوعہ 'اسباق' پونہ۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۴ء)

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط اِس مجموعہ پر اِن الفاظ میں اظہار خیال کرتے ہیں :

''عظیم راہی اسی طرح اخلاص کے ساتھ دامن افسانچہ کو تھامے رہیں گے تو کل یقیناً عصر آفرینی میں اُن کے منی افسانوں کو شبنم سے آتش پارے بننے میں دیر نہیں لگے گی۔'' (عظیم راہی بحیثیت افسانچہ نگار۔ مطبوعہ ماہنامہ 'تکمیل' بھیونڈی۔ جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء)

اس کتاب پر م۔ ناگ امید افزاء الفاظ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

''چھوٹے چھوٹے افسانوں میں بڑی بات کہنے کا ہنر انھیں آتا ہے۔ افسانہ ختم ہونے کے بعد منی افسانوں میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کہانی پن سے جگنو جگہ جگہ ٹم ٹم کر رہے ہیں ۔ قول اور لطیفوں کو انھوں نے منی افسانوں کا خام مواد نہیں بنایا۔ یہ خوش آئند قدم ہے۔ 'درد کے درمیان' کی اشاعت سے شاید کہانی پن کے ساتھ افسانچوں کا دور پھر آجائے۔''

(مطبوعہ روزنامہ 'تعمیر' بیڑ۔ مورخہ ۱۹/ستمبر ۲۰۰۳ء)

صفحہ نمبر ۲۰ پر 'درد کے درمیاں' سے ایک افسانچہ بعنوان 'چلن' ملاحظہ کیجیے : وہ شخص جس نے میرے قتل کی سازش رچی تھی معجزاتی طور پر میرے بچ جانے پر مبارکباد دینے والوں میں سب سے آگے تھا۔ (جاری)

تلسی

Ocimum tenuiflorum L.

ڈاکٹر رفیع الدین ناصر
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد
موبائل : 9422211634

تلسی مقدس بھی اور مؤثر بھی

نام: اردو میں تلسی، گجراتی و ہندی میں تلسی، مراٹھی میں تُلسی (تڑس) ہے۔ نباتی نام : Ocimum tenuiflorum L. (Ocimum sanctum L.) ہے۔ اس کی فیملی Lamiaceae Lindl. nom. alto (Labiatae) ہے۔

دستیابی: تلسی کا پودہ تقریباً ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ باغوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ تلسی کا پودا مقدس تصور کیا جاتا ہے اسے قبروں پر لگایا جاتا ہے جبکہ ہندو خواتین اس کی پوجا کرتی ہیں۔

ہیئت: تلسی کا پودا ۳۰ تا ۶۰ سم لمبا ہوتا ہے۔ تنہ شاخدار اور جامنی رنگ کا ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے مخالف اور حاشیہ اندرونی صاف ہوتا ہے۔ پودے کے سرے پر پھولوں کے خوشے ہوتے ہیں۔ پھول سیاہی مائل سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ نہایت خوشبودار ہوتے ہیں۔ بیج چھوٹے اور سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔ جن کو تخم ریحان بھی کہتے ہیں جو پانی میں رکھنے سے لیس دار ہو جاتے ہیں۔ تلسی کے پھول تقریباً سال بھر رہتے ہیں۔

طبی استعمال: تلسی کے تازہ پتوں کو ابال کر جوشاندہ میں کالی مرچ ورنگ ملا کر صبح و شام پینے سے موسمی بخار یعنی ملیریا عام بخار بہت جلد دور ہوتا ہے۔ پتیوں کو سوکھا کر کالی مرچ اور لونگ ملا کر کوٹ کر گولیاں بنا کر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر روز کھانے کے بعد تلسی کے پانچ چھ پتوں کو چبانے سے بدہضمی، قئے، دمہ، کھانسی، گنٹھیا، ہیضہ وغیرہ امراض میں فائدہ ہوتا ہے۔ تلسی کے پتوں کے جوشاندہ کے بھپارہ دینے سے گنٹھیا میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ تلسی کے بیج کو مکمل ۵ تا ۶ کی تعداد میں کھانے یا پاؤڈر کی شکل میں استعمال کرنے سے خونی بواسیر اور پیشاب کی جلن میں فائدہ ہوتا ہے۔

تلسی کے تازہ پتوں اور عرق لیموں کو ہم وزن مقدار میں ملا کر سفید داغ، خارش اور دیگر جلدی امراض میں مالش کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ مذکورہ عرق کی چہرے پر مالش سے داغ دور ہوکر رنگ نکھرتا ہے۔ جلد کے زخموں سے خشک پتوں کا سفوف جراثیم کو ہٹاتا ہے۔ اسی طرح گندے زخموں کو پتوں کے پانی سے دھونے سے فائدہ ہوتا ہے۔ تلسی کے بیجوں کو پیس کر مساوی گڑ ملا کر ڈیڑھ ڈیڑھ ماشہ کی گولیاں بنا کر صبح و شام ایک ایک گولی گائے کے تازہ دودھ کے ہمراہ لینے سے جسم میں حقیقی گرمی اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ مردانہ کمزوری دور ہوتی ہے۔ قوام مادہ گاڑھا ہوتا ہے۔ مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔ گیس اور کف سے پیدا ہونے والی متعدد بیماریاں مٹ جاتی ہیں۔ تلسی کے بیج مسلسل صبح و شام چھ چھ ماشہ پھانک کر اوپر سے نیم گرم دودھ پینے سے سیلان منی دور ہوکر قوام مادہ گاڑھا ہو جاتا ہے۔

سانپ کاٹنے کے فوری بعد ایک مٹھی تلسی کی پتیاں کھانے اور اس کے ساتھ ہی کاٹے گئے مقام پر تلسی کی جڑ مکھن میں گھس کر لگانے سے شروع میں لیپ کا رنگ سفید رہے گا لیکن جوں جوں وہ زہر کھینچے گا توں توں سیاہ پڑتا جاتا ہے۔ جب اس کا رنگ اچھی طرح سیاہ دکھائی دینے لگے تو اس کی بجائے دوسرا لیپ لگا دینا چاہئے۔ یہ لیپ تب تک بدلتے رہنا چاہئے جب تک کہ اس کا سیاہ پڑنا بند نہ ہو جائے۔ جب وہ سیاہ نہ پڑے تب سمجھا جائے کہ اب زہر کا اثر زائل ہو چکا ہے۔ بچھو وغیرہ کے ڈسنے سے پتوں کے جوشاندہ میں سیندھیا نمک ملا کر گرگرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔ تلسی کا پودا مخصوص خوشبو والا ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں یہ پودا لگایا جاتا ہے وہاں عموماً مچھر نہیں آتے۔ عام طور سے بستر پر تلسی کے پتے بچھا کر سونے سے مچھروں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

تلسی کے پتوں کا تیل لونگ کے ساتھ یا تل کے ساتھ نکالا جاتا ہے جو جراثیم کش کے طور پر کام کرتا ہے۔ زخموں پر لگانے سے بیکٹیریا، کیڑوں وغیرہ کو ختم کرتے ہیں۔ زخموں کو اچھا کرتا ہے۔ خارش، پھنسی پر لگانے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ تلسی کے پتوں کا رس کان کے درد کو دور کرتا ہے۔

☆☆☆

برمحل اشعار اور ان کے ماخذ

(پانچویں قسط)
خلیق الزماں نصرت (بھیونڈی)
موبائل : 8530172682

میر تقی میرؔ

بڑے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا
(دبستان دلّی،ص۲۳۵،کلیات میرؔ،ص۱۱۵)

ہمارے آگے تیرا جب کسو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
(کلیات میرؔ،ص۱۱۵)

رات تو ساری کٹی سنتے پریشاں گوئی
میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو
(گلستان،ص۴۹۵،کلیات میرؔ،ص۲۴۵)

عشق کا گھر ہے میر سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں
(کلیات میرؔ،ص۴۲۸)

اس کے کوچے کی خاک لائیں گے ہم
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے ہم
(گلشن،ص۳۰۵،کلیات میرؔ،ص۹)

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو
ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو
(کلیات میرؔ،ص۲۴۵)

ہجر بتاں میں طبع پراگندہ ہی رہی
کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ہو
(کلیات میرؔ،ص۴۴۸)

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا
(کلیات میرؔ،ص۱۳۶)

عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ
بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا
(کلیات میرؔ،ص۱۳۶)

جیتے جی کوچۂ دلدار سے جایا نہ گیا
ان کی دیوار کا سر سے مرے سایہ نہ گیا
(کلیات میرؔ،ص۱۳۱)

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میرؔ معلوم ہے قلندر تھا
(کلیات میرؔ،ص۱۴۸)

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
(کلیات میرؔ،ص۱۰۹)

راہِ دورِ عشق میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
(کلیات میرؔ،ص۱۳۳)

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا
(کلیات میرؔ،ص۱۳۸)

اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا
(کلیات میرؔ،ص۱۳۸)

دلّی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ انہیں تخت و تاج کا
(علم مجلسی،ص۵۳،کلیات میرؔ،ص۱۳۹)

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
(کلیات میرؔ،ص۲۷۱)

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
(کلیات میرؔ،ص۲۷۷)

سرہانے میرؔ کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے
(کلیات میرؔ،ص۳۳۰)

شرط سلیقہ ہے ہر اک امر ہے
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے
(کلیات میرؔ،ص۲۷۷)

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی
(کلیات میرؔ،ص۸۲۸)

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے
(نکات الشعراء۔ص۱۶۱۔کلیات میرؔ،ص۳۰۱)

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
(نکات الشعراء۔ص۱۶۴۔کلیات میرؔ،ص۳۲۴)

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے
(م۔ا۔کلیات میرؔ،ص۳۲۴)

گوشۂ رضا جالنوی (تعارف)

مختصر تعارف بقلم خود

☆

میں اپنا تعارف پیش کرنے سے قبل سہ ماہی ''عکس ادب'' کے قارئین کا ممنون ہوں کہ آپ تمام ''عکس ادب'' کو پسند فرماتے ہیں اور ڈاکٹر یوسف صابر کی جدوجہد و کوشش کو سراہتے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف صابر نے ان گنت شعراء، ادباء اور فنکاروں کو متعارف کیا ہے۔ خاکسار بھی اپنا تعارف پیش کرنے قارئین عکس ادب کے روبرو حاضر ہے۔

☆

میں سید رحیم الدین ولد سید ضیاء الدین شہر جالنہ کا متوطن ہوں۔ خاکسار کو رضا جالنوی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ میں نے ۹ر جون ۱۹۴۳ء کو آنکھ کھولی اور آج جہاں بھر کے روح فرسا حالات دیکھ رہا ہوں۔

☆

میں نے ابتدائی تعلیم اردو سے حاصل کی۔ بعدازاں میرا ذریعۂ تعلیم مراٹھی رہا۔ والدین کی تربیت اور گھریلو ماحول کے سبب عمر کے ساتھ ساتھ میرا مطالعہ کا شوق بڑھا۔ بچپن میں بچوں کے لئے رسالے دستیاب تھے۔ کھلونا، نوری، پھلواری رسالے پڑھ کر والدہ سے کہانیاں سن سن کر، نظمیں کہنے کی طرف طبیعت راغب ہوئی، پندرہ سوالہ برس کی عمر میں اپنے احساسات کو کاغذات پر اتارنے کی کوشش کی۔

☆

کم عمری میں ہی ''بزم احباب خلد آباد'' نامی بزم بنائی۔ میں اس بزم کا صدر بھی رہا۔

☆

۱۹۶۵ء میں سررشتہ تعلیمات سے منسلک ہوا۔ بحیثیت مدرس میرا تقرر عمل میں آیا۔

☆

میں نے برسوں تک تعلیمی اور سماجی خدمات انجام دی ہیں۔ گرام پنچایت، پنچایت سمیتی، ضلع پریشد و ریاستی سطح کے ایوارڈ پاتا رہا۔ ۱۹۸۱ء کے راشٹر پتی ایوارڈ برائے مردم شماری سے بھی سرفراز ہوا۔ اس طرح بساط بھر سماجی و ادبی خدمات انجام دیتا رہا اور ۲۰۰۱ء میں وظیفۂ حسن خدمت پر علیحدہ ہوا۔

☆

خجستہ بنیاد شہر اورنگ آباد جو سراج و ولی کی زمین کہلاتی ہے یہاں قیام پذیر ہوں۔ اس شہر کی ادبی تحریکوں اور تنظیموں سے وابستہ رہا۔

☆ مقامی بیرونی چھوٹے بڑے کم و بیش ۱۲۵ مشاعروں کی نظامت بھی کی۔ آج عمر کے ۸۰ر سال مکمل کر چکا ہوں۔ تاہم آج بھی منزل شعر و ادب کی جانب رواں دواں ہوں۔

دعاؤں کا طالب

رضا جالنوی

9270484147

☆☆☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

سید رحیم الدین رضاؔ جالنوی حیات وخدمات

مولانا صدرالحسن ندوی
صدر اقبال اکیڈمی، اورنگ آباد
Mob:9423153573

شہر اورنگ آباد نے کئی نامور گوہر عطا کیے جنہوں نے زبانِ اردو کی آبیاری کی اور اس زبان کی ترویج وترقی کے لئے کوشاں رہے۔ کئی ایسی بھی شخصیتیں رہیں جنہوں نے بڑی ہی خاموشی سے دہائیوں بے لوث ادبی خدمات انجام دیں۔ ایسے ہی بے لوث خادمانِ ادب میں ایک نام رضاؔ جالنوی کا بھی ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش ۹ رجون ۱۹۴۳ء ہے۔ آپ کا پورا نام سید رحیم الدین ولد سید ضیاء الدین صاحب ہے۔ آپ اپنے تخلص رضاؔ جالنوی سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کا آبائی وطن جالنہ ہے۔ آپ ۱۹۵۵ء میں جالنہ سے ترک وطن کر کے خلد آباد منتقل ہوئے اور بعد میں اورنگ آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ تحتانوی تعلیم جالنہ اور عنبڑ میں حاصل کی اور وسطانوی اور فوقانی تعلیم ذریعہ تعلیم مراٹھی سے خلد آباد میں حاصل کی۔

۱۹۶۵ء بطور مدرس ضلع پریشد اورنگ آباد کے تحت رجوع بہ کار ہوگئے۔ اپنی تدریسی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک اچھے معلم ثابت ہوئے۔ آپ کو مثالی مدرس کے اعزاز سے ۱۹۹۸ء میں نوازا بھی گیا۔ تدریسی ذمہ داریوں کے علاوہ سرکاری اسکیمات کی اضافی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور دیگر اعزازات حاصل کیے۔ خاندانی منصوبہ بندی (۱۹۷۰ء) مردشماری ہند ۱۹۸۱ء اور تعلیم بالغان ۱۹۶۸ء کے تحت تعلقہ جاتی سطح پر اعزاز حاصل کیے۔ آپ نے راشٹر پتی ایوارڈ برائے مردم شماری ۱۹۸۱ء بھی حاصل کیا۔ رضاؔ جالنوی کو بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق ہے۔ گھر کا ماحول بھی ادبی تھا۔ والد ضیاء الدین صاحب کی تربیت اور ترغیب بھی جامع ثابت ہوئی۔ والدہ سے قصے کہانیاں سنتے سنتے خود بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کہانیاں اور ڈرامے لکھنے شروع کیے۔ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ افسانہ نویسی سے بھی اپنی پہچان بنائی۔ آپ چھوٹے بڑے اخبارات میں گذشتہ نصف صدی سے چھپتے رہے ہیں۔ اردو ٹائمز، اورنگ آباد ٹائمز، ایشیاء ایکسپریس، انقلاب وغیرہ کے علاوہ مقتدر رسائل میں بھی آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان تخلیقات کو اردو داں طبقہ میں پذیرائی بھی ملی۔ اسی دہائی میں رضاؔ جالنوی کو آکاش وانی اورنگ آباد میں اردو پروگرام سب رنگ میں بچوں کے لیے ''کھلتی کلیاں'' اور دیگر پروگرام میں خوب خوب مواقع ملے اور دیگر پروگرام ''باتوں باتوں میں'' کے لیے اپنی تخلیقات آج بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ مقامی و بیرونی مشاعروں کے ساتھ ساتھ ریڈیائی تخلیقات آج بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ مقامی و بیرونی مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہے۔ ساتھ ہی انہوں نے سماجی خدمات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سرزمین خلد آباد میں ۱۹۶۵ء میں پہلا مشاعرہ اور اس کے بعد کے مشاعروں کا سہرا بھی رضاؔ جالنوی کے سر بندھتا ہے۔ وہ کئی ادبی انجمنوں سے بھی وابستہ رہے۔ مقامی و بیرونی چھوٹے بڑے سو سے زیادہ مشاعروں میں پُر اعتماد دلکش انداز میں نظامت کی ہے۔ ان کا حلقہ احباب کافی وسیع ہے۔ تمام خورد و کلاں میں اپنے فقیرانہ مزاج اور سادہ لوئی کے سبب کافی مقبول ہیں۔ نصف صدی کے شعری سفر میں کئی واقعات یادوں کی شکل میں آج بھی محفوظ ہیں۔ لیکن ۱۹۶۵ء۔۱۹۶۶ء کے ایک مشاعرہ کی یادیں آج بھی تازہ ہیں۔ پچاس سال پہلے اس شہر میں پچاس سے زائد شعراء کرام موجود تھے۔ ۱۹۶۵ء میں خلد آباد میں ان کے چند دوستوں نے مشاعرہ کروانے کا منصوبہ بنایا۔ رائے ہریش چندر دکھی جالنوی سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اور کئی خطوط کے تبادلوں کے بعد مشاعرہ کی تاریخ طئے کی گئی۔ اس وقت انہوں نے دوستوں کے ساتھ مل کر کچھ پیسہ جمع کیا اور حسن اتفاق دیکھئے کہ ۱۹۶۵ء میں ہونے والے مشاعرے کے لیے روپئے بھی صرف ۶۵ ہی جمع ہوئے تھے۔ ایڈوکیٹ غازی معین الدین مرحوم نے ان کی ہمت بندھائی اور مرحوم اورنگ آباد سے اٹھائیس (۲۸) شعراء کے قافلے کے ساتھ خلد آباد وارد ہوئے۔ مشاعرہ درگاہ حضرت زین الدین شیرازیؒ میں صبح تک چلتا رہا اور یہ ۶۵ روپئے والا تاریخی مشاعرہ آج بھی ان کے ذہن میں تازہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ان پچاس برسوں میں انہیں نامور شعراء کے ساتھ مشاعرہ پڑھنے کے زریں مواقع نصیب ہوئے جن میں کامل شطاری، اوج یعقوبی، مظہر کامل، دکھی جالنوی، شاکر جالنوی، صلاح الدین نیّر اور بیکل اتساہی قابل ذکر ہیں۔ رضاؔ جالنوی کی فروغ اردو اور تحفظ اردو کے لیے بے لوث خدمات آج بھی ہماری منتظر ہیں۔ ☆☆☆

رضاؔ جالنوی کی شاعری میری نظر میں

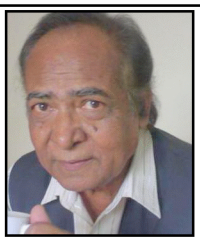

نورالحسنین (اورنگ آباد)
Mob: 9890849736

رضاؔ جالنوی کی شاعری روایت اور جدیدیت کے آمیزش سے عصری ماحول کی عکاس شاعری ہے۔ وہ ایک باخبر شاعر ہیں اُن کی نظریں مٹتی ہوئی قدروں کی نوحہ گر ہیں تو سیاسی جبریت کی عکاسی بھی کرتی ہیں۔ عدم مساوات، عدم تحفظ اور غیر یقینی سانحات و حادثات کے نقشے بھی کھینچتے ہیں۔ وہ فرد کی بے بسی اور سب میں شامل ہوتے ہوئے اُس اجنبیت کو بھی محسوس کرتے ہیں جہاں وہ تنہا رہ جاتا ہے اور اپنی محرومیوں کا عذاب بھی جھیل رہا ہے، وہ ملک میں پھیلی ہوئی لاقانونیت، مذہب کی بنیادوں پر نفرتوں کا کھیل اور خون آشام حسرتوں کے پیچھے سے آنے والی ، اُس آس اور اُمید کی نسیم سحری کی بشارت بھی دیتے ہیں، جو محبت اور اخوت کا پیغام سنائے گی۔

پستیوں کو بلندیاں مت لکھ
ظلمتوں کو تجلیاں مت لکھ
صرف گجرات لکھنا کافی ہے
وحشیوں کی تو داستاں مت لکھ

☆

میں شیشہ گر ہوں آئینہ سازی مرا ہنر
سنگ باریوں کے بیچ مرا کاروبار کیا
کہنے پہ اگر آ ہی گئے، کھل کے بولیے
شکوے شکایتوں میں رضاؔ اختصار کیا

☆

آئے گا وہ پلٹ کے تکبر کے باوجود
اپنائیت سے تم بھی صدا کرکے دیکھئے
گردن جھکایئے کہ بڑھے قدر منزلت
یہ تجربہ بھی آپ رضاؔ کرکے دیکھئے

رضاؔ جالنوی میری نوعمری کا ساتھی، جوانی کا یار اور ڈھلتی عمر کا رفیق ہے۔ ہم نے ادب سے دوستی بھی کم و بیش ایک ساتھ ہی کی تھی وہ شاعری کی طرف راغب تھے یہ اور بات تھی کہ وہ کبھی کبھی افسانے اور مضامین بھی لکھ لیتے تھے لیکن میرا میدان خالص نثر نگاری ہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اُن سے ہمیشہ مرعوب ہی رہا اور اپنی یک صنفی حیثیت پر نادم و کفِ افسوس ملتا رہا۔ یہی وہ دور تھا جب ہم دونوں اخبارات میں چھپ کر ایسے خوش ہوتے تھے گویا ادب پر عظیم احسان کر رہے ہوں۔ ہم دونوں میں ایک بات اور مشترک تھی کہ دونوں پیشۂ درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ اورنگ آباد میں آل انڈیا ریڈیو کا قیام عمل میں آیا اور میرا وہاں پر بحیثیت اناؤنسر تقرر ہو گیا۔

وہ گنگا جمنی تہذیب جس نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان آپسی بھائی چارے کی لاجواب مثالیں قائم کی تھیں۔ جہاں مختلف تہذیبوں کے اختلاط نے ہندوستانیت کو جنم دیا تھا۔ جس میں صوفیوں اور سنتوں نے خلوص اور بھائی چارے کا رنگ بھرا تھا۔ وقت نے کیا کروٹ بدلی کہ زمانے نے جانے کتنی قدروں کو پامال کر دیا اور اُس مقام تک لے آیا جہاں نفرتوں نے ایک ایسی خلیج پاٹ دی جس نے ایک دوسرے کو مقابل کھڑا کر دیا۔ آپسی رشتوں میں دراڑیں پیدا ہو گئیں۔ ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے اور شاعر و ادیب اُس کے مصور، اُس کے عکاس۔ چنانچہ رضاؔ جالنوی نے لکھا۔

کیا ہم کو ملا ذہن میں ماضی کو
بسا کر
اچھا ہی کیا تم نے ہر اک
بات بھلا دی
میں دل کے دریچے سے اُسے دیکھ رہا ہوں
آنگن میں مرے بھائی نے دیوار اُٹھا دی

☆

منزل کے نہ ملنے کا یہی ایک سبب ہے
دم بھر کیا رُکے، وقت نے رفتار بڑھا دی
کچھ دھوپ کی شدت سے گلابوں کا اُڑا رنگ
خوشبو جو بچی، تیز ہوا نے وہ اُڑا دی

یہ دور تشکیک کا دور ہے۔ بے اعتباری نے ہر فرد کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ایک دوسرے سے خوف زدہ کر دیا۔ اُن کے درمیان عدم اعتماد کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہوتے ہوئے بھی ایک اجنبی سی فضا کا احساس باقی ہے۔ ایک گھٹن، ایک دوری ہے اور یہی احساس تنہائی کا کرب تشویش میں مبتلا کرتا ہے۔

میں پھر کسی سازش کا نشانہ تو نہیں ہوں
وہ ٹوٹ کے ملتا ہے رضاؔ، ماجرہ کیا ہے

☆

ان کچے مکانوں پہ عنایت و نوازش
اے میر شہر کچھ تو بتا ماجرا کیا ہے

☆

کب ہم نے شرائط پہ نبھائے ہیں مراسم
ہر بات پہ تم نے ہی نئی شرط لگا دی

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

رضا جالنوی ایک پہلو دار شخصیت

عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9370992203

ایس رضا جالنوی جیسے سینئر قلمکار اور مقبول شاعر و ادیب کو میں کئی حوالوں سے جانتا ہوں۔ یہ جان پہچان کافی پرانی ہے غالباً پہلی پہچان یا اُسے تعارفی ملاقات کہہ لیجیے خلد آباد شریف میں ہوئی تھی۔ جہاں اُس وقت میرے برادر کلاں محمد کلیم الدین صاحب بطورِ ناظرِ تعلیمات برسرکار تھے اور رضا صاحب مدرس' تو ظاہر ہے تعلیمات کے ناظر اور مدرس کا تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے لہٰذا ان سے ملاقات ہونا لازمی تھا۔ یہ مدرس کے ساتھ شاعر و ادیب بھی ہیں اس حیثیت سے میرا پہلا تعارف ہوا اور پہلی ملاقات ہی میں ایک رشتہ سا بن گیا تھا اور پھر بعد میں غالباً ۱۹۸۲ء کے آس پاس، اپنے بڈی لین میں قیام کے دوران ان سے بحیثیت بچوں کے ادیب و شاعر دوبارہ ملاقات کا سلسلہ دفتر 'اورنگ آباد ٹائمز' سے شروع ہوا اور یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ رضا صاحب بچوں کے لیے بھی لکھتے ہیں اور بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اس وقت بچوں کے لیے لکھنے والوں کی بڑی کمی تھی، جب اس اخبار میں بچوں کے صفحہ کے ترتیب کار خوش نویس م۔ع۔ رزاق جو اچھے کاتب کے ساتھ مصور بھی تھے بچوں کے صفحہ کو بڑی ترتیب و تزئین کے ساتھ اپنی فنکاری کے ہنر سے خوب سجا سنوار کر جیسے سونے پہ سہاگہ کا کام کرتے تھے اور پھر تخلیقی شان اُس پر مستزاد' ایس رضا جالنوی کی نظمیں، کہانیاں صفحہ پر نمایاں طور پر دیدہ زیب ہونے کے ساتھ بچوں کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتی تھیں۔ رفتہ رفتہ یہاں سے میری ملاقاتیں ہونے لگیں اور باوجود عمر کے تفاوت کے قربتیں بڑھنے لگیں اور تھوڑی سی بے تکلفی بھی درمیان میں پیدا ہوگئی۔ ایک اچھے شاعر کے طور پر وہ اس دور میں بھی مقبول تھے۔ بہت بعد میں ان سے میری پہچان کا ایک سلسلہ یوں بھی شروع ہوا کہ میرے ایک دور کے رشتہ دار کے وہ قریبی رشتہ دار بن گئے جن کا نام قاضی سلیم الدین ہے۔ شاید قاضی سلیم کی رعایت سے وہ اس رشتے سے فوری جڑ گئے تھے جو بھی ہو، بہرحال اس رشتے سے بھی میرے ادبی رشتے کو مزید تقویت حاصل ہوئی اور اس طرح سے یہ جان پہچان' اِن حوالوں سے مختلف رشتوں میں بدلتی گئی اور اسے استحکام نصیب ہوتا گیا جو الحمدللہ اب تک قائم ہے۔

رضا صاحب ایک اچھے اور سچے شاعر ہونے کے ساتھ ہی بچوں کے ادیب و شاعر کے لحاظ سے اُس دور میں زیادہ سرگرم نظر آئے۔ وہ ایک مدرس ہونے کے ناطے بچوں کی نفسیات اور ان کی دلچسپی سے زیادہ واقف ہونے کے سبب ان خصوصیات کے حامل اس شعبہ میں کارہائے نمایاں انجام دے سکتے اور دیگر شاعروں و ادیبوں کی اس طرف عدم توجہی کی وجہ سے اس کی تلافی کا سامان فراہم کر سکتے تھے اور ساتھ ہی بچوں کے ادب کو بڑھاوا دینے کے لیے حکومت کی اسکیمیں اور خصوصی انعامات کا سلسلہ بھی کچھ زیادہ ہی رہا ہے کہ آم کے آم گٹھلیوں کے دام' کے مصداق فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن بعد میں مشاعروں کی مقبولیت نے انھیں اس طرف متوجہ تو رکھا۔ لیکن ویسا نہیں جیسا کہ میں چاہتا تھا اور میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے دراصل ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر میرا جی چاہتا تھا کہ وہ اس طرف

پوری طرح دھیان دیں مگر یہ تو رضا صاحب کی رضا و رغبت پر ہی منحصر تھا۔ میں تو بس اپنی سی کوشش اُس دور میں ضرور کرتا رہا۔ لیکن آج ایسا لگتا ہے کہ اگر اپنی ابتداء سے اُسی انہماک اور توجہ کے ساتھ وہ اس سمت دھیان دیتے تو بچوں کے ادیب و شاعر کی حیثیت سے رضا صاحب نہ صرف ریاستی بلکہ قومی سطح پر مقبول اور مشہور ہوتے۔ بہرحال کچھ بھی ہو وہ آج بھی کچھ کم مقبول اور معروف نہیں ہیں۔ ان کی ۵۰/ سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک جلسہ عالم گیر ادب اورنگ آباد کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا۔

رضا صاحب ۹/ جون ۱۹۴۳ء کو ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے اور شاید یہی وجہ ہے کہ آج بھی کھانے پینے کے معاملے میں بڑے محتاط ہیں۔ طبیعت میں احتیاط بہت ہے، مزاج میں ملنساری' خاکساری اور انکساری بھی بہت ہے اور اس قافیہ کے یا اس قبیل کے جتنے الفاظ ہیں جیسے دنیاداری، وضعداری، وفاداری، رواداری وغیرہ سب ان پر صادق آتے ہیں اور کئی شاعرانہ رعایتوں کے باوجود اس کے پابند اور ان پر پوری طرح کاربند نظر آتے ہیں۔ دراصل ایک عرصے تک بزرگانِ دین کی بستی خلد آباد میں رہنے کے سبب طبیعت میں درویشانہ اور قلندرانہ صفتیں بھی در آئی ہیں۔

اکثر طلباء شاعروں کے پورے نام سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔ اِن کے ساتھ بھی یہیں معاملہ ہے۔ جگر

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

مرادآبادی، مجروحؔ سلطان پوری، کیفی اعظمی اور شمسؔ جالنوی کی طرح ایس رضاؔ جالنوی بھی اپنے قلمی نام سے اتنے مشہور ہیں کہ ان کا اصلی نام کوئی نہیں جانتا۔ اُن کا اصلی نام سید رحیم الدین اور والد کا نام سید ضیاء الدین صاحب ہے جس سے بہت سارے لوگ واقف نہیں ہیں۔ نام کے پہلے حصہ کا مخفف 'ایس' تخلص رضا کے ساتھ آبائی وطن کی مناسبت سے جالنوی کا اضافہ کرلیا ہے۔ لیکن جالنہ میں مستقلاً نہیں رہے صرف ابتدائی تعلیم یہاں پائی۔ وطن ثانی خلد آباد شریف میں فوقانیہ کی تعلیم، مراٹھی ذریعہ تعلیم سے ہوئی۔ والد محترم کی بڑی رہنمائی حاصل رہی اور یہیں مدرس کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا اور ایک عرصے تک خلد آباد اور اس کے اطراف میں ملازمتی سفر مکمل کیا۔ بعد میں وطن ثانی خلد آباد سے نقل مکانی کر کے شہر خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں مستقل سکونت اختیار کر کے ولیؔ اور سراجؔ کے مسکن کو اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ چونکہ رضا صاحب شاعر ہیں شاید اسی لیے انھوں نے شہر اورنگ آباد کو ہی اپنے لیے موزوں اور بہتر سمجھا۔ جون کے مہینے میں اکثر 'مشاہیر اہل قلم' کے اس دنیائے فانی میں جنم لینے کی اطلاع میرے پاس موجود تھی جیسے میرے استاد محترم ڈاکٹر محبوب راہی اور دیگر احباب میں معین الدین عثمانی، ایم مبین، محمد اسداللہ کے علاوہ ماہ جون میں اپنی پیدائش کے سبب میں بھی خوش ہوجاتا اور کالر ٹائٹ کرلیتا ہوں لیکن جب معلوم ہوا کہ رضا جالنوی بھی اس مہینے میں پیدا ہوئے تھے تو یہ خوشی دوبالا ہوگئی ہے اور میری کالر از خود ٹائٹ ہوگئی ہے۔ عمر کے اعتبار سے وہ مجھ سے صرف پندرہ سال اور دس ماہ بڑے ہیں۔ گھنٹوں اور منٹوں کا تو مجھے پتہ نہیں' البتہ ریاضی داں اس حساب سے میری تاریخ پیدائش با آسانی ضرور نکال سکتے ہیں۔ لہٰذا عمر کے اس بڑے تفاوت کے باوجود' ان کے خلوص و محبت کا یہ عالم ہے جو اس گلوبل دور میں ذرا عجیب لگتا ہے۔ اب وہ مجھ سے یوں ملتے ہیں جیسے میں ان کا بزرگ ہوں اور وہ میرے برادر خورد۔ شاید میرے بالوں کی سفیدی کا اثر ہو۔ بہرحال ان کے اس رویے کے باوجود میرے دل میں ان کے لیے ادب اور احترام کا ویسا ہی جذبہ موجزن ہے جس کے وہ مستحق ہیں۔

اللہ نظر بد سے بچائے، اس عمر میں ان کی صحت قابل رشک ہے۔ پیدل چلنے کی عادت میں ان کی صحت کا راز مضمر ہے۔ لیکن وہ اوروں کی طرح سڑکیں نہیں ناپتے ہیں بلکہ ضرورت کے تحت پا پیادہ شہر کی سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ بقول محترم احمد اقبال اُن کی عزم حوصلوں کی داد دینی پڑتی ہے۔ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ جب ایس ٹی بس کی ہڑتال ایک ہفتہ تک چلی تھی۔ اُس دور میں رضا صاحب نے سائیکل پر خلد آباد سے اورنگ آباد اپ ڈاؤن کیا تھا۔ البتہ اب پیرانہ سالی کے سبب کچھ نقاہت ضرور محسوس کرتے ہیں اور اٹھنے بیٹھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں۔ یہ محض پیرانہ سالی کا معمولی سا اثر ہے۔ ورنہ یہ تکلیف تو آج کل عام سی بات ہوگئی ہے۔ اکثر نوجوانوں میں یہ شکایت ہونے لگی ہے، لہٰذا ان کی تکلیف تو قابلِ قبول لگتی ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی۔ یہاں یہی کیا کم ہے کہ کھنڈر ہونے کی عمر میں بھی عمارت کی بلندی بدستور قائم ہے۔ یہ اچھی عادت کے ساتھ اچھی آب و ہوا کا ہی اثر کہا جاسکتا ہے ورنہ شاعری کے میدان میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو دیگر علتوں سے بچائے رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ملازمت کے سلسلے میں بڑے شہروں کی صحرانوردی نہیں کی ہے بلکہ ضلع کے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور مضافاتی علاقوں میں صعوبتوں کو جھیل کر ایک اچھے معلم کی کارکردگی انجام دی ہے اور تعلیم کے میدان میں اپنی گہری چھاپ چھوڑی ہے مگر کبھی اسمٰعیل چھاپ بیڑی نہیں پی ہے جو دیہاتوں میں عام ہوتی ہے۔ البتہ یہاں خاندانی منصوبہ بندی، مویشیوں کی گنتی کرنا، مردم شماری جیسی غیر تعلیمی سرگرمیوں میں بھی سرگرم رہے ہیں اور گرام پنچایت، پنچایت سمیتی، ضلع پریشد سے لے کر شہر کے لائنس کلب اور میونسپل کارپوریشن اورنگ آباد کے زیر اہتمام مثالی مدرس کے ایوارڈ حاصل کیے ہیں جبکہ بچوں کو پڑھانے کے علاوہ بڑوں کی تعلیم کے لیے تعلیم بالغان کی مہم میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ ۱۹۸۱ء کے دوران مردم شماری میں اپنی بہترین کارکردگی کے سبب صدر جمہوریہ ایوارڈ کے بھی مستحق قرار پائے ہیں۔ وہیں اپنی ملازمتی ذمہ داریوں کو کامیابی سے انجام دیتے ہوئے گھر کی ذمہ داریوں کو ایک خوشگوار فریضہ سمجھ کر بحسن و خوبی ادا کرنے میں بھی کامیاب و کامران رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں کئی عدد پوتے، پوتیوں، نواسے اور نواسیوں کے دادا و نانا بن چکے ہیں۔ بہرحال خوشگوار ازدواجی زندگی کے نتیجے میں خوشحال اور فارغ البال ہیں شاید اسی لیے سر کے بال بھی اب تک نہ صرف بقید حیات ہیں بلکہ جوانی کے دنوں کے طرح ہی سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ بقول شخصے' کشادہ پیشانی قسمت والوں کی نشانی ہوتی ہے لیکن کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے ان کی پیشانی مزید کشادہ ہوئی ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مزاج میں سنجیدگی کے ساتھ کسی حد تک ظرافت کا عنصر بھی شامل ہے۔ ہمدرد اور شریف النفس انسان ہیں۔

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

متناسب خدوخال کے مالک، میانہ روی نہ صرف ان کی چال میں نظر آتی ہے بلکہ ان کے ہر معاملے میں یہی حال ہے' حسب حال بحال ہے۔ بہت دھیمے لہجے میں بات کرتے ہیں۔ مجھ جیسے اونچی آواز میں بات کرنے والے کو ان کے نزدیک کان لے جانا پڑتا ہے، ورنہ کان پڑے آواز نہیں سنائی دیتی ہے اس لیے اکثر مشاعرے میں ان کے شعر مکرر سنتا ہوں، تحت میں پڑھتے ہیں مگر جب موڈ میں ہوتے ہیں تو اس طرح بھی پڑھتے ہیں کہ ترنم کو شرمانا پڑتا ہے۔

رضا صاحب ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ کیے بغیر اپنے کام میں یقین رکھتے ہیں۔ آپ کی علمی وادبی کارکردگی کی تفصیل بھی شاعر کے محبوب کی زلف کی طرح طویل ہے۔ آپ کی زندگی میں ۱۹۶۵ء کا سال بڑا اہم رہا ہے۔ اسی سال ملازمت اختیار کی اور مشاعرے پڑھنے کا باقاعدہ آغاز کیا اور ۶۵/روپئے کے مشاعرہ کا اہتمام کر کے مشہور ومقبول ہوئے۔ چندہ جمع کر کے اس تاریخی مشاعرہ کا سہرا ان کے سر بندھتا ہے اور اسی وقت سے انھوں نے باقاعدہ مشاعرہ پڑھنے کی شروعات بھی کی اور تقریباً ۳۶ سال کی ملازمت (اتفاق سے میری ملازمت کا میعاد بھی ۳۶ برس ہے، کئی اور باتوں کے ساتھ مجھ میں ان میں یہ بھی ایک مشترک بات ہے۔) بحسن وخوبی انجام دے کر ۲۰۰۱ء میں حسن وظیفہ پر سبکدوش ہوئے اور آزادی کے یہ دن آتے ہی مشاعرہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ نظامت کی بھی شروعات ہوگئی اور اب تک ان کی نظامت کی سنچری ہوگئی ہے جو مشاعرہ کے ناظم کی حیثیت سے یہ شہرت شہر اورنگ آباد میں ایک ریکارڈ رکھتی ہے۔ گینز بک آف ورلڈ میں نہ سہی اپنے علاقے میں ضرور رضا صاحب نے ایک ریکارڈ قائم کیا ہے۔

ایک اچھے ناظم کی صلاحیت میں فی البدیہہ شعر کہنے کی قابلیت کا بھی کافی دخل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قادرالکلامی کی خوبی بھی ان کی شاعری کو چار چاند لگاتی ہے جو معیار کے ساتھ مقدار میں بھی اضافہ کرتی ہے۔ شاید اسی لیے غزلوں اور نظموں کے ساتھ قطعات کہنے میں بھی خوب ملکہ حاصل ہے۔ اب تو یہ عالم ہے کہ روز دو قطعات کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ شاید اس کے بغیر ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا ہے۔ ایک روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز کے لیے تو دوسرا ایشیاء ایکسپریس کے لیے۔ قطعات میں عصری موضوعات ہمیشہ ان کی زد پر رہتے ہیں۔ جو مزاحیہ اور طنزیہ انداز لیے ہوتے ہیں۔ مشاعرے کی اس مصروفیت میں کبھی اپنے ادبی ذخیرے کی طرف توجہ نہیں کی۔ بس لکھتے لکھتے بقول خود ان کے ایک بڑا ذخیرہ بن گیا ہے لیکن ترتیب وتدوین کی طرف دھیان نہیں گیا اور ان کا بہت سارا ذخیرہ اِدھر اُدھر بکھر گیا ہے۔ شاید اسی لیے اب تک ایک بھی کتاب شائع نہیں کی یا کتاب کی اشاعت کو ضروری نہیں سمجھا۔ جبکہ میرے ایک بزرگ دوست، دیرینہ رفیق اور ممتاز ومقبول شاعر نذیر فتح پوری کے کتابوں کی ابھی حال ہی میں سنچری مکمل ہوئی ہے۔ اصل میں آج کے تکنالوجی کے دور میں اتنی سہولت ہوگئی ہے کہ کتابوں کی اشاعت میں بے تحاشہ اضافہ ہوگیا ہے لیکن رضا صاحب نے کبھی اس سہولت کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ مشاعروں کے بدولت ہاتھ آئی مقبولیت پر اکتفا کرلیا ہے یا ہوسکتا ہے ناظم مشاعرہ کی سنچری کی خوشی کے عالم میں اِس طرف دھیان ہی نہیں گیا ہو ورنہ بلامبالغہ اس سے نصف تعداد میں کتابوں کی اشاعت کچھ مشکل نہ تھی۔ بشرطیکہ اپنی ابتداء سے اس طرف یکسوئی سے متوجہ ہوئے ہوتے۔ ابھی حال ہی میں میری نئی کتاب کے اجراء کے موقع پر استاد محترم احمد اقبال نے اس توقع کا اظہار کیا کہ میری کتابوں کی سلور جوبلی ہو اور اس کی صدارت بھی آپ کریں اللہ ان کی دعا قبول کرے۔ اگر رضا جالنوی اس بات کو دل پر لیں اور اس سمت ذرا سنجیدگی سے سوچیں تو بہت ممکن ہے کہ ان کی کتابوں کی سلور جوبلی ضرور ہوسکتی ہے۔ میں بھی ان کے حق میں دعا کرتا ہوں۔ آج کے دور میں تو اکثر شاعروں وادیبوں کی کتابیں پہلے چھپ کر آتی ہیں اور ادبی استحکام بعد میں نصیب ہوتا ہے لیکن یہاں مقام شکر ہے کہ رضا جالنوی کی کوئی کتاب نہ ہونے کے باوجود اتنا زبردست ادبی استحکام نصیب ہونا بھی نصیب کی بات ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اپنی تخلیقات کی اشاعتوں کو بھی انھوں نے اخبارات کی حد تک محدود رکھا ہے۔

رضا صاحب سے ملاقات ہونے پر اکثر میں انھیں مشورہ دیتا رہتا ہوں کہ تخلیقات بھجوایئے کہ اتنے سارے سرکاری ونیم سرکاری پرچے نکلتے ہیں لیکن یہ ان کا لاابالی پن ہے یا بے نیازی کا عالم ہے یہ تو وہی جانیں کہ انھوں نے کبھی کسی پرچے کو منہ لگایا اور نہ کسی رسالے کو گلے لگایا۔ جبکہ ان کی تخلیقات کا یہ عالم ہے کہ وہ شاعری کے ساتھ نثر میں بھی خوب لکھتے رہے ہیں۔ افسانے اور افسانچے، ڈرامے، مضامین اور ریڈیو پر 'باتوں باتوں میں' کے تحت گھریلو خاکے بھی اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھتے رہتے ہیں لیکن شاعری کی مقبولیت اور شہرتوں نے اس سمت متوجہ ہونے نہیں دیا ہے۔ وہ اس منظر نامے سے اگر پورے تواتر کے ساتھ جڑے رہتے تو عالمی فکشن نگار نورالحسنین کی طرح اس میدان میں بھی اپنی شہرتوں کے پرچم بلند کرسکتے تھے (باقی صفحہ ۲۶ پر)

دو چار برس کی بات نہیں یہ نصف صدی کا قصہ ہے

''رضاؔ جالنوی'' قلندرانہ مزاج کا مقبول شاعر

احمد خان، ایم اے (اورنگ آباد)
Mob:9860603240

اورنگ آباد کی ادبی تاریخ میں رضاؔ جالنوی کا شمار ایسی شاعرانہ کڑی کے طور پر ہوتا ہے جو قدیم کو جدید سے جوڑتی ہے۔ رضاؔ جالنوی نے جہاں اورنگ آباد کے اساتذہ شعراء کرام کی صحبتوں کو مشعل راہ بنایا وہیں شہر خجستہ بنیاد اورنگ آباد کے نومشق شعراء کے لیے مشعل راہ بھی بنے۔ رضاؔ جالنوی، ولیؔ، سراجؔ کی زمین کے ایسے شاعر ہیں جن کی شاعری میں خلوص، محبت، سادگی اور دلوں کو جوڑنے کا اظہار جابجا ہوتا ہے۔ بلاشبہ انسانی رشتوں کے احترام کے حوالے سے رضاؔ جالنوی کی شاعری تمام انسانیت کو صرف اور صرف محبت کا پیغام دیتی ہے۔

رضاؔ جالنوی کا تعارف پیش کرتا چلوں کہ آپ کا پورا نام سید رحیم الدین سید ضیاء الدین ہے۔ آبائی وطن جالنہ اور وطن ثانی خلد آباد ہے۔ آپ ۹؍جون ۱۹۴۳ء کو ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے، گھریلو ماحول علمی، ادبی تھا، والد کی تربیت حاصل رہی، آپ نے فوقانی تعلیم مراٹھی ذریعہ تعلیم سے خلد آباد ہی میں حاصل کی، ۱۹۶۶ء محکمہ تعلیمات میں تقرر عمل میں آیا اور ۲۰۰۱ء میں وظیفہ حسن خدمات پر سبکدوش ہوئے۔ دوران خدمات آپ نے گرام پنچایت، پنچایت سمیتی، ضلع پریشد، لائنس کلب کے ایوارڈ حاصل کئے۔ ۱۹۸۰ء کے دوران مردم شماری کی بہتر کارکردگی کے ضمن میں صدر جمہوریہ ہند (راشٹر پتی ایوارڈ) حاصل کیا۔ ۹۹-۱۹۹۸ء میں، M.C.A کی جانب سے مثالی مدرس کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ کی علمی و ادبی کارکردگی بہت مفصل ہے۔ رضاؔ جالنوی کا مزاج سنجیدگی اور ظرافت کا امتزاج ہے۔ خوش گو قدرے کم گو بزلہ سنج اور منکسر المزاج انسان ہیں۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ۔ اس محبّ اردو کی گرانقدر خدمات قابل ستائش ہیں۔ یہ قلندرانہ مزاج کا مشہور شاعر تو ہے ہی لیکن ساتھ ہی محبّ اردو اور خادم ادب بھی ہے۔ آپ شاعر کے ساتھ ساتھ ناظم مشاعرہ کے طور پر بھی معروف ہیں۔ کم و بیش ۱۲۰؍مشاعروں کی منفرد نظامت آپ نے کی ہے۔ ان گنت مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ ۱۹۷۸ء سے ریڈیائی پروگرامس آپ نے دیئے۔ حال ہی میں اقبال اکیڈمی اورنگ آباد کی جانب سے آپ کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ حالات حاضرہ پر آپ کے سنجیدہ طنزیہ، مزاحیہ (طنز و مزاح) کی عکاسی کرتے ہوئے، ہزاروں قطعات روزانہ اورنگ آباد ٹائمز، ایشیاء ایکسپریس و ملک کے دیگر اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں، ہمہ جہت انسان ہیں۔ شاعری کے علاوہ آپ نے افسانے اور مضامین بھی تحریر کئے۔ فی البدیہہ شعر کہنا آپ کے لیے مشکل امر نہیں روایتی شاعری کے علمبردار ہیں۔ جدیدیت کی طرف کم رجحان ہے۔ آپ نے شاعری کی ابتداء ۱۹۶۴ء میں کی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ملاقات میں رضاؔ جالنوی نے بتایا کہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں اورنگ آباد میں کم و بیش ۵۰ کہنہ مشق شعراء ہوا کرتے تھے، بڑے شاعروں کے علاوہ نشستوں کا اہتمام کرتے، ادبی سرگرمیاں بام عروج پر تھیں۔ رضاؔ جالنوی غزل گو شاعر ہیں تغزل، رومانیت، شعریت معنویت، غنائیت

ان کا رویتی اسلوب کہہ سکتے ہیں۔ غزل کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی انہوں نے اپنی پہچان بنائی انشائیے، مضامین اور نظمیں ان کا خاصہ رہا ہے۔ بشر نواز، حمایت علی شاعر، پروفیسر عبدالوہاب جذب اور عارف خورشید پر ان کی کہی ہوئی نظمیں پسند کی گئیں۔ ہاں جتنی سنجیدہ شخصیت ہیں اتنے ہی وہ لا ابالی بھی ہیں۔ نام و نمود سے بے پرواہ قلندرانہ مزاج کے اس شاعر نے اپنے کلام کی رسائی کو اہم جانا اور سامع اور قاری کے ذہن کو ضرور متاثر کیا ہے۔ رضاؔ جالنوی کی نصف صدی کی ادبی خدمات کے ہم معترف ہیں ان کے نمونہ کلام سے ان کی فکر و لہجہ کا اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

گر نسخۂ ضبط غم تو مجھ کو بتا دیتا
میں حال میں کھو جاتا ماضی کو بھلا دیتا
زخموں کی حفاظت بھی اب میری ضرورت ہے
ایک زخم ہنسا دیتا اک زخم رُلا دیتا

یہ اشعار بھی مقبول عام ہیں۔

منزل کے نہ ملنے کا یہی ایک سبب ہے
دم بھر کیا رُکے وقت نے رفتار بڑھا دی
میں دل کے دریچے سے اسے دیکھ رہا ہوں
آنگن میں میرے بھائی نے دیوار اٹھا دی

رضاؔ جالنوی نے اپنے نرم لہجے میں بڑی آسانی سے ایسے شعر کہے ہیں جیسے وہ سب کے لیے ہوں۔

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

رضا جالنوی بحیثیت غزل گو

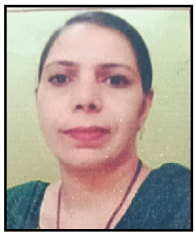

شیخ ہما کوثر (ناندیڑ)
(اسوسیٹ پروفیسر) صدر شعبۂ اردو
کے آر ایم مہیلا مہاودیالیہ، نزد ملٹی
پرپز گراؤنڈ ناندیڑ (مہاراشٹر)
موبائل : 8625916500

☆تمہید (Abstract) :

رضا جالنوی نے نثر میں بحیثیت افسانہ نگار خود کو منوایا ہے لیکن وہ بحیثیت شاعر زیادہ مقبول ہیں۔ رضؔا جالنوی نے بہت عمدہ نظمیں تخلیق کی ہیں اور تشلیثات بھی خوب کہی ہیں۔ وہ قطعات کے بھی ماہر ہیں اور بہترین غزل گو ہیں۔ اس مضمون میں ان کی غزلوں کی چند خوبیوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆تعارف (Introduction) :

رضؔا جالنوی کا اصل نام قاضی سید رحیم الدین ہے۔ ادب کی دنیا میں وہ رضا جالنوی نام سے جانے جاتے ہیں۔ رضا جالنوی ۵۰ سے زائد برسوں سے دیگر شعری اصناف سخن کے ساتھ صنف غزل کے گیسو سنوار رہے ہیں۔ اخبارات و رسائل میں اکثر ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ موصوف نہایت مخلص، سادگی پسند اور حسن اخلاق سے مالا مال ہیں اور یہی صفات ہمیں ان کی شاعری میں بھی نظر آتی ہیں۔ رضا جالنوی کی غزلیں رواں اور صاف ستھری ہیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو کبھی کسی تحریک سے نہیں جوڑا۔ جس کا عکس ہمیں ان کی غزلوں میں صاف نظر آتا ہے۔

☆رضا جالنوی کی غزلوں کا تنقیدی جائزہ :

رضا جالنوی کی غزلیں روایت سے قربت و محبت کا احساس دلاتی ہیں لیکن ان میں عصر حاضر کی آمیزش بھی صاف نظر آتی ہے۔ موصوف کی شاعری نئی بوتل میں پرانی شراب والی بات پر صادق آتی ہے۔ رضا جالنوی کی اکثر غزلیں مبالغہ آرائی سے پاک نظر آتی ہیں۔ ان کی غزلیں سادگی، پختگی، سنجیدگی اور شائستگی کی آئینہ دار ہیں۔ رضا جالنوی نے طویل ردیفوں کو بھی نہایت عمدگی سے نبھایا ہے۔ مثال کے طور پر یہ دو شعر دیکھیں۔

اخلاص و محبت پیار وفا نہ پاس ترے نہ پاس مرے
وہ کل کا خزانہ بیش بہا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

کس جرم کی ملی ہے سزا تم کو کیا خبر
دہرا دیا تھا لفظ وفا تم کو کیا خبر

انسان کی حقیقت کو رضا جالنوی نے خود بھی سمجھا ہے اور اوروں کو بھی سمجھایا ہے۔ انداز بیاں دیکھئے۔

اس نے مری وقعت کا دلایا مجھے احساس
چٹکی میں بھری خاک رضؔا اور اڑا دی

رضا جالنوی نے اردو کے تھوڑے سے مشکل لیکن انتہائی خوبصورت الفاظ بھی اپنی غزلوں میں بڑی مہارت سے سموئے ہیں۔ اس خوبی کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

تیرے کوچے کا نقشہ میری آنکھوں میں منقش ہے
مرا ذوق نظر کہئے کہ فردوس بریں سمجھا

تم میزباں تھے محو ضیافت تھے پر جناب
اک فاقہ کش تھا دور کھڑا تم کو کیا خبر

دستِ غواص خالی خالی ہے
سیپیاں بانجھ ہیں سمندر کی

رضؔا جالنوی نے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی کے بھی الفاظ کو غزلوں کے اشعار میں خوبصورتی سے سمویا ہے۔ جیسے۔

بے دام کنکروں کا نصیبہ تو دیکھئے
پکھراج ہوگیا کوئی الماس ہو چلا

رضؔا جالنوی کے پاس ایسی غزلیں بھی ہیں جن میں ایک ہی موضوع کو الگ الگ انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ رومانیت سے لبریز انتہائی دلنشیں ایک غزل کے یہ چند اشعار دیکھئے۔

ذکر اس کا چھڑا اور غزل ہوگئی
زخم تازہ ہوا اور غزل ہوگئی

شعر کہنے میں آسانیاں ہیں بہت
خوں نچوڑا ذرا اور غزل ہوگئی

شکریہ شکریہ شکریہ چارہ گر
درد حد سے بڑھا اور غزل ہوگئی

دورِ حاضر کے میرِ شہر ہر کام کے لئے شک کے دائرے میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ غریبوں سے ہمدردی کرتے ہیں اور ان پر عنایتیں بھی کرتے ہیں تو کبھی لگتا ہے اس میں ان کی کوئی غرض چھپی ہوئی ہے۔ اسی خیال کو رضؔا جالنوی نے کتنی بے باکی اور ہنرمندی سے پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

ان خستہ مکانوں پہ عنایت و نوازش
اے میرِ شہر کچھ تو بتا ماجرا کیا ہے

عصرِ حاضر کی مصلحت پسندی کو رضا جالنوی نے جس انداز سے پیش کیا اس کا بھی جواب نہیں، شعر دیکھئے

کچھ ادھر بے دلی کچھ ادھر بے دلی
ہاتھ دونوں ہی لیکن ملاتے رہے

آج کل فسادات، تشدد اور ظلم و ستم ہی نہیں ماب لنچنگ جیسے کئی عذابوں کا زمانہ ہے۔ اس میں کون کس طرح سے ملوث ہے اس جانب رضا جالنوی نے بڑے پُر اثر انداز میں اشارے کئے ہیں۔ شعر دیکھئے۔

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

یہ بات الگ کس نے یہاں آگ لگا دی
بجھتے ہوئے شعلوں کو مگر تم نے ہوا دی

غربت و مفلسی کا گراف آج حد سے زیادہ گر گیا ہے۔ جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے رضا جالنوی نے اس طرح چونکایا ہے۔

سر چھپانے کا بس ٹھکانہ ہے
چار تنکوں کو آشیاں مت لکھ

عصرِ حاضر میں بزدلی کو بھی شرافت تسلیم کیا جا رہا ہے۔ جس پر چوٹ کرتے ہوئے رضا جالنوی کو بھی یوں کہنا پڑا۔

اتنی شرافتیں بھی مناسب نہیں ابھی
ماحول بدلا بدلا ہے تو بھی بدل ذرا

کہا جاتا ہے کہ جن کے گھر شیشے کے ہوتے ہیں وہ دوسروں کے گھروں پر پتھر نہیں پھینکتے۔ اس کا توڑ رضا جالنوی کے مطابق اس طرح نکالا جا سکتا ہے۔

جس شخص کا شیشے کا بنا گھر نہیں ہوتا
پتھر بھی برسنے کا اسے ڈر نہیں ہوتا

دورِ حاضر کے عام انسان جس طرح سے اپنی زندگیاں گذار رہے ہیں اس کرب کو رضا جالنوی نے محسوس کیا ہے اور اپنی ایک غزل کے مطلع اور مقطع میں اس طرح پیش کر دیا ہے۔

عجب سی بے کلی ہے اور میں ہوں
شکستہ زندگی ہے اور میں ہوں
رضاؔ فرصت غموں سے کب ملی ہے
وہی شدت ابھی ہے اور میں ہوں

☆ **ماحصل** : رضا جالنوی کی غزلوں میں زندگی کا کرب بھی ہے اور حالات حاضرہ کا عکس بھی دلوں کی تڑپ بھی ہے اور حوصلے کا درس بھی۔ رضا جالنوی کی غزلیں پاک و صاف بہتے پانی کی طرح رواں اور معنویت سے پُر نظر آتی ہیں۔

☆☆☆

بقیہ: رضا جالنوی کی شاعری میری نظر میں

زمانے کی اس کج روی، سیاسی شعبدہ بازی، نفرتوں کے جاری اس کھیل کے باوجود رضاؔ جالنوی ایک صوبیانہ یقین کا علم بلند کرتے ہیں اور اپنی شاعری کے ذریعے کبھی تو رشتوں کے تقدس کی باتیں کرتے ہیں تو کبھی رنجشوں کی خلیج کو باٹنے کا احساس دلاتے ہیں۔ کبھی یقیں بالذات سرشاری اور اُس کے آگے دستِ دعا بلند کرنے کا پیغام دیتے ہیں، کبھی وہ اُس آنے والی خوشگوار صبح کی بشارت دیتے ہیں۔ جس کی خوشبو سے سارا گلستان مہک اُٹھے گا۔

دنیا کے رضاؔ میں نے سب قرض چکا ڈالے
اک دودھ کا باقی ہے اے کاش چکا دیتا

☆

پاؤ گے کیا سکون حصارِ انا میں تم
محصور ہیں تو خود کو رہا کر کے دیکھئے

کس نے کہا کہ سنگ پگھلتا نہیں کبھی
جادو ہے، لفظ لفظ جگا کر تو دیکھئے

☆

ضبطِ غم کا سلیقہ رکھ ملحوظ
ورنہ چہرہ ضرور بولے گا

آج بھی شہر میں میرے وہ باصلاحیت معاصرین موجود ہیں جن کو اپنے فن کی خوبیوں کا احساس ہی نہیں ہے۔ وہ نام و نمود سے بے نیاز اپنی ہی دنیا میں مگن ہیں۔ میرا اُن کو یہی مشورہ ہے کہ وہ اس لاپرواہی سے باہر نکلیں اور اپنی تخلیقات کو رسائل و جرائد کے حوالے کریں۔ ورنہ شاعری کی یہ زرخیز وادی آپ سے اپنی عنایتوں کا حساب پوچھے گی۔

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

بقیہ: ''رضاؔ جالنوی'' قلندرانہ مزاج کا مقبول شاعر

کیا ہم کو ملا ذہن میں ماضی کو بسا کر
اچھا ہی کیا تم نے ہر اک بات بھلا دی
کب ہم نے شرائط پہ نبھائے ہیں مراسم
ہر بات پہ تم نے ہی نئی شرط لگا دی

☆

تم نے تو چن لئے ہیں سبھی حسرتوں کے گل
کانٹا میرے ہی پاؤں لگا تم کو کیا خبر

رضاؔ جالنوی ایسے شعر بھی کہہ جاتے ہیں کہ قاری ان میں اپنا ہی درد محسوس کرتا ہے۔

ذکر اس کا چھڑا اور غزل ہوگئی
زخم تازہ ہوا اور غزل ہوگئی
بے رخی نے تری شعر اچھے دیئے
زخم رستا رہا اور غزل ہوگئی

آپ کی نصف صدی کی ادبی شعری خدمات لائق تحسین ہیں۔ جسے یاد رکھا جائے گا۔

کس جرم کی ملی ہے سزا تم کو کیا خبر
دہرا دیا تھا لفظ وفا تم کو کیا خبر
تم نے تو چن لیے ہیں سبھی حسرتوں کے گل
کانٹا مرے ہی پاؤں لگا تم کو کیا خبر

☆☆☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

ابھی کچھ لوگ ہیں جو خاک کو اکسیر کرتے ہیں

ریاض صبا گنجوی (اورنگ آباد)
موبائل : 9326203909

پانچ دہائیوں سے مسلسل حضر کی حالت میں ادبی سفر پر گامزن وہ فنکار جس کی استقامت صبر وتحمل مجاہدہ مشاہدہ تمحید ابتلا اجتہاد رضیت کی بینائی وسعت کی گہرائی اسلوب اور شکست وریخت پر شک نہیں کیا جاسکتا اس معتبر فنکار کو سفر کرنا بھی چاہئے کہا جاتا ہے۔ ہر اچھے فنکار کو نئے پن کی تلاش میں آوارہ گرد بھی ہونا پڑتا ہے اور مسافر بھی لیکن یہ حصول منزل کے لئے نہیں راستے کو اور طویل کرنے کے لئے سفر کرتا ہے جس سے وہ ایک ساتھ کئی منزلیں سر کر سکے۔ وہ فنکار مردہ لفظوں کے ڈھیر پر کھڑے رہنے کا قائل نہیں جو زندہ لفظوں کو چھوڑ دے تو بے جان ہوجائیں یہ وہ فنکار ہے جو مردہ لفظوں میں جان ڈال سکتا ہے۔ شاعری اسے وراثت میں نہیں ملی لیکن شاعری اس کے بچوں کی وراثت ضرور بن سکتی ہے۔ وہ شاعر جھیل اور حوض کا ٹھہرا ہوا پانی پسند نہیں کرتا وہ دریا کے بہاؤ اور اس کی ہیت کو پسند کرتا ہے جس کے بہاؤ میں فنکار اپنی جستجو کی راہ ہموار کرتا ہے۔ نئی سوچ نئے تجربے نئے خیال نئی وادیوں کے سفر پر گامزن وہ فنکار و شاعر و ادیب افسانہ نگار جس کو غزل کے دیار میں محترم رضا جالنوی کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے محترم رضا جالنوی کا نام محتاج تعارف نہیں۔ 1965ء سے آج تک عمر کا طویل عرصہ اردو ادب کی بے لوث خدمات پر جاری و ساری ہے۔ محترم رضا جالنوی کی شاعری روایتی اور جدیدیت کا ملا جلا سنگم ہے وہ روایت کا دامن چھوڑنے کے قائل نہیں اور جدیدیت سے بھی انکار نہیں کرتے۔ ان کا ماننا ہے کہ میر تقی میر کی شاعری نے ہر دور میں اپنا لوہا منوایا گوکہ وہ روایتی شاعری سے منسوب ہے۔ میر کا رنگ میر کا لہجہ آج کی جدید شاعری سے بہت بالاتر اور بھاری ہے۔ بڑی شاعری کی یہ خصوصیات رہی ہیں کہ وہ کبھی بھی کسی موسم اور اپنے بعد کے زمانے میں دل کو چھو کر اپنا اثر چھوڑے گی۔ نیا پن نیا تجربہ نئی تلاش بھی ضروری بہت ہے مگر اس حد تک جہاں تک الفاظ خوشبو بکھیرتے رہیں زیادتی مفہوم اور لفظوں کو بے اثر کردیتی ہے۔ کیا میر تقی میر کی شاعری دل میں اترنے والی نہیں ہے کیا میر تقی میر کی شاعری خوبصورت اور بڑی شاعری نہیں ہے اگر ہے تو محترم رضا جالنوی کی شاعری آپ کے دل پر ضرور اثر چھوڑے گی اور اپنی جگہ بنائے گی۔

رضا جالنوی کی ادبی شخصیت کے کئی پہلو ہیں ان کا تعلق درس وتدریس سے اردو صحافت ثقافت سے جڑا رہا ہے۔ رضا جالنوی کی شاعری آپ کے دل پر ضرور اثر چھوڑے گی اور اپنی جگہ بنائے گی۔

رضا جالنوی کی ادبی شخصیت کے کئی پہلو ہیں ان کا تعلق درس وتدریس سے اردو صحافت ثقافت سے جڑا رہا ہے۔

رضا جالنوی بیک وقت ادیب افسانہ نگار کہانی کار اور طنز و مزاح کے شاعر ہیں۔ رضا جالنوی نے ریڈیائی مشاعرے ریڈیائی مضامین ڈرامے افسانے اور طنز مزاح میں اپنی الگ شناخت قائم کی اور اردو ادب کا حصہ بنے۔ پچھلی دہائی میں انہوں نے پے در پے ریڈیائی مضامین اور ڈرامے لکھے جو کافی مشہور و معروف ہوئے۔ انہوں نے انسانی تجربے کی کئی ان کہی جہتیں اور کتنے غیر مرئی آفاق ارتعاش آمیز تناظر خلق کئے ہیں۔ دراصل وہ ایک شعلہ آفاق سنجیدہ شاعر و ادیب ہیں لیکن اپنے قلندرانہ مزاج کی بدولت اپنی شہرت ومقبولیت تعریف و توصیف سے پرہیز و اجتناب کرتے رہنے کی فطرت

سے مجبور اپنی فنکارانہ شخصیت کو اس مقام تک نہ جانے دیا جس کے وہ حقدار ہیں۔ کسی فلسفی نے کتنا سچ کہا ہے ہر مشہور بڑا فنکار نہیں ہوتا اور ہر بڑا فنکار مشہور نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس سچائی کو زمانہ تسلیم کرے نہ کرے محترم رضا جالنوی کی شاعری میں ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کا رنگ نظر آتا ہے جسے ہم دیہی ثقافتی جمالیات اور مادری تہذیب کہتے ہیں۔ انہوں نے گیت، نظم، قطعات، تثلیثات ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن صنف غزل کو ترجیح دی۔ شاعری کے حوالے سے رضا جالنوی کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کا انداز بیان تصنع سے پاک بے تکلف بے محابہ اور برملا اظہار کا ہے وہ الفاظ کی بلاوجہ تراش خراش نہیں کرتے مگر ان کو برتنے میں کمالِ فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ الفاظ اپنے سیاق و سابق اور اپنی حسیات میں عیاں ہوجاتے ہیں اور اکثر و بیشتر ایسے الفاظ کا استعمال کرنے پر قادر ہوتے ہیں جو فوراً ہمیں اپنی طرف متوجہ کرلیں۔ رضا جالنوی کے صنفِ سخن میں موضوعات کی تازہ کاری اور فکر کی ندرت نغمگی پختگی شاعری کی جان ہے۔

ہر آن تبدیل ہونے والا سماجی اقتصادی سیاسی اور ثقافتی منظر نامہ بھی رضا جالنوی کی شاعری میں طرفیں کھولے ہوئے ہے اظہار کی مختلف تدبیروں کے زیر دام آکر ہمارے عصری شعور میں آگہی کا اضافہ کرتا نظر آتا ہے ان کے یہاں موضوعات کی رنگارنگی خیالات کی تازگی اظہار کی خوش سلیقگی نغمگی اور تجربے کی ندرت لطفِ سخن کی راہ کھولتی ہے جگہ جگہ نرمی اور ایمائیت کا احساس چھلکتا ہے اور زبان و بیان کی سلاست و روانی بھی قابل تحسین ہے۔ ان کی شاعری اپنی معنویت اور اظہار کی انفرادیت کے سبب ہمیں اپنی طرف متوجہ کرنے میں پوری طرح کامیاب نظر آتی ہے۔ رضا جالنوی خوش مزاج اور خوش فکر شاعر ہیں۔

حضرت امیر خسروؒ سے ناصر کاظمی تک غزل نے کئی دور بدلے عصر حاضر میں غزل نے اپنی ارتقائی منزل میں بہت ہی خوبصورت طریق پر قدم رکھ دیا ہے یعنی یہ تبدیلی ہمارے لیے پیہم جدوجہد تحریک اور امکانات کی راہیں کشادہ کرتی ہے، یہ تعمیری تبدیلی بھی ہوسکتی ہے اور تخریبی بھی کیوں کہ شاعر تعمیری ذہن رکھتا ہے اسے تخریب سے نفرت ہے لہٰذا وہ ہر لمحہ ایک خوبصورت دنیا کا خواب دیکھتا ہے اگر چہ وہ بھیڑ میں تنہا ہے اور اسے ہر روز ایک کربناک درد کا سامنا ہوتا ہے وہ اس بازار صرف اور قدروں کے زوال پر غمگین بھی ہے مگر قنوطیت کا شکار نہیں اس بدلے ہوئے عصر نے ذوق کی سرشارگی اور حیات کا رنگ چھین لیا ہے یہ ضرورت کیا ہے اور کیا شئے ہے اس کی نامعلوم کتنی شکلیں ہیں اور کتنی وضاحتیں جو ہماری زندگی سے وابستہ ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ فکر یہ شاعری ہمیں اس مقام تک رسائی دے جہاں آزادنہ طور پر شئے کی شناخت اور اس کی حقیقت کا مسئلہ حل ہوتا نظر آئے اس عنوان پر ایک طویل گفتگو کی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ رضؔا جالنوی کے یہاں اشیاء اور مظاہرے کے مشاہدے کو کلیدی اہمیت حاصل ہے اور تدبیر و تفکر کی کارفرمائی ہے اور یہی ان کے آفاقی شعور کی پہچان ہے۔ ان کی شاعری فنی اقدار کے پس منظر میں رونما ہو کر وسیع منظر نامے پر پھیل جاتی ہے۔ رضؔا جالنوی کے یہاں زندگی کا بہترین اظہار و خیال ملتا ہے جس سے زندگی کی سچائیوں کی نئی گذرگاہیں روشن ہوتی ہیں۔ رضؔا جالنوی کی غزلوں میں انفرادیت نزاکت سادگی و پرکاری ہمیں بہت متاثر کرتی ہے۔

رضؔا جالنوی روایتی وجدیدیت کی ان نمایاں اور نمائندہ تخلیقی ذہانتوں میں ایک اہم موجودگی کے حامل ہیں جنہوں نے روایت کا پاس رکھتے ہوئے غزل کی معنی پاشی اور معنی افزائی کو بحال کرنے والے اپنے فوری پیش روؤں کے متن سازی کے طریق کو مزید توسیع اور استحکام سے ہمکنار کیا جس سے غزل میں مطلق آفاقیت اور ماورائیت کی جگہ ماؤرائیت اور فوری حقیقت آفاقیت اور مقامیت اور بیرون و اندرون کے درمیان ثنوی تصادم کے ذریعہ معنی کے فشار کو مرکزی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ کئی جگہ رضؔا جالنوی نے اپنی شعری زمین اس تصادم سے تیار کی ہے ان کے یہاں طئے شدہ اور دی ہوئی زندگی کے معمولات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے اور مانوس میں روپوش نادیدہ اجنبیوں کو نشان زد کرنے کا عمل نمایاں ہے۔ رضؔا جالنوی کے شعری طریق کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ انسانی رشتوں کے ساتھ معاملہ کرنے کے لیے جذباتیات کے بجائے ایک ایسی حقیقت پسندانہ معروضی نگاہ سے کام لیتے ہیں جو ایک نیم گویائی کی حامل دردمندی سے عبارت ہے اسی وجہ سے ان کے جذبے تیکھے اور دریدہ ذہن ہونے کے بجائے تحت بیانی اور زیرسخن کا ہنر جانتے ہیں حقیقت بہت پُرپیچ اور سیال ہوتی ہے اور اس کی حتمی تعبیر نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے عصر کے تازہ کار رضؔا جالنوی تخلیقی سطح پر اس صورت حال سے کبیدہ خاطر نظر آتے ہیں۔

شاعری میں کیا کیا خصائص اور امتیازات ہونے چاہئے اس کا تشفی بخش جواب ان کی شاعری پڑھنے کے بعد ہوش مند قارئین کو ضرور مل جائے گا۔ رضؔا جالنوی کے یہاں ایک ایسا انبساط شعروں کے بطن میں موجود ہے جسے ہم فنکار کی شعری صلاحیتیں اور اس کی تخلیقیت سے منسوب کرسکتے ہیں اور ارفع و اعلیٰ خیالات کے نام سے پکار سکتے ہیں اور اس سے ہی ان کا پڑھنے والا انکی شعری صلاحیتوں سے لطف اندوز ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے اور قاری کے درمیان ایسا رجائی لہجہ ترتیب پاتا ہے جسے ترسیل سے ذہنی کیفیت کی بناء پر انجذاب کیا جاسکتا ہے۔ رضؔا جالنوی کے کلام میں حسن اور معنی آفریں کثرت ان کی غیر معمولی طاقتور وجدوانی اور فکری وحدت کی امین ہے جو ان کی غزلیہ شاعری کو مابعد ایک نیا چہرہ عطا کرتی ہے اور ذوقِ سلیم کے حامل قاری کو اپنے مطالعے سے قرار واقعی جمالیاتی تسکین اور ہمہ گیر انسانی بصیرت عطا کرتی ہے۔ ان کی اکثر و بیشتر غزل میں ہر قافیہ و ردیف کا ڈھونڈ کر استعمال میں لے آنا استادانہ چابکدستی کا تو مظہر ہے ہی فنکارانہ حسن و عظمت کا جگمگاتا ہوا نشان اور پہچان بھی ہے۔ ان کے کلام میں وسیع المشربی کے باعث پورے کلاسیکی روایات و جدیدیت پسند ادب کے معتبر جمالیاتی اور اقداری عطیات کی ایک گونج سمائی ہوئی ہے جس نے ان کے خیال اور لفظیات میں خاصی بوقلمونی پیدا کردی ہے۔ لیکن بیشتر ان کے یہاں ہر غزل کے ضمیر میں خیال کی صداقت اسلوب بیاں کی ندرت اور لسانی لطافت کی موزوں اور مترنم یک جہتی اور خوشنما ہم آہنگی برقرار ہے۔ یہ اختلاف اور تنوع مختلف مزاج و کردار کی غزلوں میں ضرور رونما ہوا ہے تاہم رضؔا جالنوی کی ذات میں پوشیدہ حقیقی تخلیقیت گذار شاعر اور برابر نمو پذیر شعری شخصیت کی بنیادی روح ہر نہج پر ایک رہتی ہے اس لیے یہ کوئی عیب نہیں حسن ہے یہ تمام ہمہ گیر تخلیقی بصیرت کا فطری نتیجہ ہے۔

رضؔا جالنوی کی غزلیہ تخلیقیت نہ صرف جمالیاتی نظم و نسق بلکہ ان کے احساسی جذبی تخلیقی تخیلی اور فکری نظم سے متمول ہے۔ ان کے غزلیہ شعر کی جمالیاتی اور اقداری اکائی کے پس پشت زندگی کے سردگرم سے گذار ہوتا خاصہ پختہ اور بالیدہ شعور اور بالغ ادراکی قوت کارفرما ہے جو بیک وقت فن اور زندگی کے داروسن کی آزمائش سے گذرے بغیر نصیب نہیں ہوتی ہیں۔ رضؔا جالنوی کی اردو ادب کی خدمات پر ان کی غزلیہ شعری اصناف پر ریڈیائی ڈراموں پر طنز و مزاح کے اشعار پر ڈاکٹر علامہ اقبال کا شعر پیش کرتا ہوں ۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

☆☆☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

رضاؔ جالنوی ایک بہترین شاعر و ادیب اور افسانہ نگار

عبدالقدیر خان سیفیؔ (اورنگ آباد)

تاریخی ، علمی ، ادبی ، تعلیمی ، دینی ، سیاسی ، صنعتی اہمیت کی سرزمین اورنگ آباد کے رحیم الدین رضاؔ کہنہ مشق ، برجستہ ، برمحل ، برموقع اشعار کہنے والے غزل ،نعت ، تثلیث اور قطعات کے شاعر ہیں اس کے علاوہ کئی برسوں سے افسانہ نگاری و افسانچہ نگاری کررہے ہیں آکاش وانی اورنگ آباد سے نشر ہونے والے ماہانہ فیچرس کے فیچر نگار بھی ہیں اور آج کل تین چار سالوں سے اخبارات میں روزعصری حالات کے موضوعات پر برجستہ برملا قطعات رضاؔ کے شائع ہوتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں حضرت منتجب الدین زر زری زربخشؒ کے خلد آباد کے مشاعرے میں رضاؔ جالنوی کے ساتھ پہلی مرتبہ مشاعرہ میں کلام سنانے کا موقع ملا ویسے جالنہ میں بچپن سے میرے والد مولوی بسم اللہ خان صاحب مدرس کے شاگرد ہونے کی وجہ سے میں ان سے واقف تھا۔ مگر بحیثیت شاعر ۱۹۸۳ء سے واقف ہوں۔ مشاعرہ مشہور شاعر مقتدر نجم کی اسپانسر شپ میں منعقد ہوا۔ اس مشاعرہ میں حیدرآباد کے صلاح الدین نیر ناندیڑ کے محمود عظمت، بیڑ سے حسن ، پربھنی سے عرفان پربھنوی، شفیع پربھنوی اور جالنہ سے عروج، شمس جالنوی، قاسم جالنوی، شمیم جوہر وغیرہ نے شرکت کی تھی۔ اورنگ آباد سے اختر الزماں ناصر، جے پی سعید، مقتدر نجم یوسف عثمانی، اور قمر اقبال ، بشر نواز، عصمت جاوید، جاوید امان اور عبدالقدیر خان سیفی، ناظم مشاعرہ رضاؔ جالنوی وغیرہ نے شرکت کی تھی ۱۹۸۳ء کے بعد کئی مشاعروں کی نظامت ۲۰۲۰ء تک رضاؔ جالنوی نے کی۔ اور کلام سے سامعین کو لطف اندوز بھی کیا۔

۱۹۸۳ء کے مشاعروں سے ۲۰۱۹ء تک مشاعروں میں رضاؔ جالنوی صاحب کے ساتھ میں نے بھی کئی مشاعروں میں کلام سنایا۔ اس مختصر مضمون میں رضاؔ جالنوی کی غزل گوئی نعت گوئی تثلیث گوئی اور قطعات گوئی، افسانہ نگاری، افسانچہ نگاری کے بارے میں ریڈیائی فیچر نگاری کے بارے میں رقم کررہا ہوں۔

رضاؔ کی غزل گوئی :

رضاؔ جالنوی ،کہنہ مشق برجستہ برمحل برموقع اشعار کہنے والے شاعر ہیں ، رضاؔ کی غزل میں جو اہلیت داخلی کیفیات ، عشق و محبت کے موضوعات رومانیت اور زندگی کے عصری حالات کی آگہی پائی جاتی ہے۔ طنز بھی پایا جاتا ہے۔ غزل گوئی کے نمونے کے طور پر ایک غزل کے چند اشعار پیش ہیں۔ آج کے سیاسی حالات کے بارے میں رضاؔ کہتے ہیں ؎

یہ بات الگ کس نے یہاں آگ لگادی
بجھتے ہوئے شعلوں کو مگر تم نے ہوا دی

اس شعر کے ذریعے شاعر نے فرقہ پرستوں اور شریر افراد کے عمل کی طرف اشارہ کیا ہے آج کل ہمارے معاشرے میں دیواریں اٹھائی جارہی ہیں اور بھائیوں میں نفاق پیدا ہوگیا ہے اس لئے رضاؔ نے یوں بیان کیا ہے ؎

میں دل کے دریچے سے اُسے دیکھ رہا ہوں
آنگن میں میرے بھائی نے دیوار اٹھادی

منزل پہ پہنچنے کے لئے جستجو اور جدوجہد کے ساتھ وقت کی رفتار کے ساتھ چلنا ضروری ہے اس بات کو رضاؔ صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔

منزل کے نہ پانے کا یہی اک سبب ہے
دم بھر کیا رُکے وقت نے رفتار بڑھادی

اور رضاؔ کا یہ شعر بھی متاثر ہوتا ہے ؎

اس نے میری وقعت کا دلایا مجھے احساس
چٹکی میں بھری خاک رضاؔ اور اڑادی

فسادات کے بارے میں رضاؔ کا یہ مصرعہ یاد آرہا ہے۔ ''صرف گجرات لکھنا کافی ہے'' (رضاؔ جالنوی)

رضاؔ جالنوی کی غزلوں میں داخلیت رنگ تغزل رومانیت عشق و محبت کے موضوعات کے علاوہ زندگی کے حقائق اور عصری حالات کی آگاہی ملتی ہے۔

رضاؔ جالنوی کی تثلیث نگاری :

۱۹۸۰ء سے غالباً رضاؔ جالنوی تثلیثات گوئی کررہے ہیں ، غزلوں کی طرح رضاؔ کی تثلیثات میں (تین مصرعوں) میں زندگی کی حقیقتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اورنگ آباد شہر میں غزل کے شاعر قمر اقبال مرحوم تثلیثات کے بہت بڑے شاعر تھے۔ برصغیر اورنگ آباد کے متوطن ہجرت کر کے پاکستانی ہونے والے شاعر ادیب نقاد حمایت علی شاعرؔ (مرحوم) نے ثلاثی کی بنیاد رکھی تھی۔ رضاؔ کی تثلیثات بھی قارئین کو متوجہ کرتی ہیں۔

رضاؔ کی قطعات نگاری :

قطعات نگاری اردو شاعری کی رباعیات گوئی کی صنف کی طرح چار مصرعوں والی صنف ہے۔ رضاؔ جالنوی تقریباً پانچ سالوں سے اورنگ آباد کے اخبارات میں روزانہ موجود سیاسی حالات اور شعری حالات پر برجستہ قطعات کہتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۲۹ پر)

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

رضاؔ جالنوی
بحیثیت قطعہ نگار

ڈاکٹر یوسف صابرؔ
اسوسیٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو
J.J.T. یونیورسٹی، جھنجھنو
(راجستھان)

رضاؔ جالنوی انتہائی شریف النفس، مخلص، سادگی پسند، ہمدرد، پُرمزاح، دانشور، حاضر جواب، ملنسار، منکسر مزاج، وضعدار اور خوش مزاج انسان ہیں۔ وہ اپنوں سے روٹھے رہنے کی بجائے ہمیشہ اپنوں کو مناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ بظاہر بھولے بھالے و بے ضرر نظر آتے ہیں اور ہیں بھی۔ مگر وہ چوٹ بھی کرتے ہیں اور نشتر بھی لگاتے ہیں لیکن اس طرح کہ زخم بھی ٹھیک ہوجاتے اور درد بھی نہ ہو۔ ان کی یہی خوبیاں ان کی شاعری اور خصوصاً ان کے قطعات میں ملتی ہیں۔

رضاؔ جالنوی کے اکثر قطعات سیدھے دل میں اُتر جاتے ہیں اور فوری زبان واہ کہنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔

رضاؔ جالنوی نے ہزاروں کی تعداد میں قطعات تخلیق کئے ہیں۔ اگر ان میں سے آدھے بھی کتابی شکل میں شائع ہوجائیں تو اُن کے پانچ سے زائد خالص قطعات کے مجموعے شائع ہوسکتے ہیں۔ رضاؔ جالنوی کے اکثر قطعات وہ آئینے ہیں جن میں حالاتِ حاضرہ کے انتہائی واضح عکس نظر آتے ہیں۔ سیاست رضاؔ جالنوی کا پسندیدہ موضوع ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے ان گنت قطعات تخلیق کئے ہیں اور بہت دلکش کئے ہیں۔ ان سے چند بطورِ نمونہ پیش ہیں۔

یہ آج کی سیاست نفرت ہی گھولتی ہے
ہر دن شرارتوں کی اک راہ کھولتی ہے
کچھ بھی نہ ہوگا حاصل تبدیل نام کر کے
بنیاد کس نے رکھی تاریخ بولتی ہے

☆

جو نہ دے گر سمت کوئی وہ قیادت بھی غلط
مصلحت آمیز گر ہو تو سیاست بھی غلط
درج ہے تاریخ میں ہر دورِ ماضی کی مثال
ہو اگر حاکم غلط اس کی حکومت بھی غلط

☆

سیاست آج کی پوری طرح ننگی نظر آئی
بڑا مکروہ چہرہ ہے بڑی بھدی نظر آئی
ابھی اہل سیاست مبتلا ہیں خوش خیالی میں
انھیں اپنی ہر اک حرکت بہت اچھی نظر آئی

☆

آج انہی سے بھرے پڑے ہیں شہروں کے فٹ پاتھ
ڈگر ڈگر پر جابر شاطر چلے ہیں مل کر ساتھ
یہ ہے سیاست سمجھو جانو گلی گلی میں آج
ایک لگائے آگ یہاں تو دوجا سینکے ہاتھ

رضاؔ جالنوی نے مختلف بحروں میں فنِ قطعات کے متعد لوازمات کو برتتے ہوئے نہایت عمدہ قطعات تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے قطعات کے ردیف قافیے تمام مصرعوں میں مربوط و ایک جان نظر آتے ہیں۔

رضاؔ جالنوی نے کبھی بھی ردیف برائے ردیف اور قافیہ برائے قافیہ نہیں کہا۔ ان خوبیوں نے ان کے قطعات کو بلند معیار بخشا ہے۔ یہ سچ ہے کہ حالات کے عکاس، سیاست پر چوٹ کردہ شاعری وقتی ہوتی ہے۔ وقت بدلتے ہی ان کی اہمیت گھٹ جاتی ہے مگر رضاؔ جالنوی نے حالاتِ حاضرہ اور سیاست پر ایسے قطعات بھی تخلیق کردیئے جن میں دائمی زندگی کے آثار

نظر آتے ہیں۔ جیسے ؎

اقوال ان کے کہنے سنانے کے اور ہیں
اظہار کے جدا ہیں چھپانے کے اور ہیں
ان رہبرانِ قوم کی تعریف کیا کریں
کھانے کے دانت اور دکھانے کے اور ہیں

آخری مصرعے کا جواب نہیں۔ یہ ہنسنے پر بھی مجبور کرتا ہے اور سنجیدگی کے سمندر میں گہرائی تک جانے پر بھی۔

رضاؔ جالنوی نے سیاسی نعرے بازیوں کو بھی بڑی عمدگی سے نشانہ بنایا ہے۔ ''اچھے دن'' پر بہت کچھ کہا گیا۔ رضا جالنوی کے بھی دو قطعات ملاحظہ کیجئے اور لطف اٹھائیے ؎

ہر سمت خوب چرچے عزت مآب کے ہیں
یا پھر یہ سب اشارے اک انقلاب کے ہیں
آثار رفتہ رفتہ ہونے لگے ہیں ظاہر!!
بے انتہا برے دن عالیجناب کے ہیں

☆

پھول پتے نکھر تو جانے دو
نظم گلشن سنور تو جانے دو
اچھے دن آئیں گے یقیناً پر
یہ برے دن گذر تو جانے دو

رضاؔ جالنوی نے یکساں سول کوڈ کو نشانہ بناتے ہوئے ایک بہترین قطعہ تخلیق کیا ہے اور حیرت و غور و فکر پر مجبور کرنے والا سوال اٹھایا ہے ؎

چلئے مانا اک نیا قانون لایا جائے گا
دل شکن دل سوز نعرہ بھی لگایا جائے گا

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

حکمرانو، رہبرو، قانون سازو کچھ کہو
دفن سب ہوں گے یا پھر سب کو جلایا جائے گا

قطعات کا فن رباعیات کے فن سے نہایت قریب نظر آتا ہے۔ دونوں میں کسی ایک موضوع پر چار مصرعے کہے جاسکتے ہیں مگر دونوں میں فرق ہے اور یہ فرق مطالعہ طلب ہے۔ رباعی کے لئے صرف بحر ہزج کے (۲۴) اوزان کی پابندی ہے جبکہ قطعہ ہر بحر اور ہر وزن میں تخلیق کیا جاتا ہے۔ رباعی میں پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ردیف و قافیہ کے لئے پابند ہوتا ہے جب کہ قطعات میں پہلے مصرعے کے لئے یہ پابندی نہیں ہے اور رباعی کے لئے چار مصرعوں کی شرط ہے جبکہ قطعات جفت تعداد کی شکل میں چار سے زیادہ مصرعوں میں بھی تخلیق کئے جاسکتے ہیں مگر آج کل کے شعراء نے رباعیات و قطعات کی ظاہری شکل و صورت ایک جیسی کردی ہے۔ رضاؔ جالنوی کے پاس بھی تمام قطعات چار مصرعوں پر مبنی ملتے ہیں۔ لیکن رضاؔ جالنوی نے متعدد بحروں کو استعمال کر کے اس فرق کو واضح رکھا ہے۔ رضاؔ جالنوی نے ایسے کئی قطعات کی تخلیق کی جو معنی خیز اور چونکانے والے ہیں۔ ان میں چند قطعات پیش ہیں ۔

کس کو بتائیں کیسے بتائیں، عقل پہ اس کی تالا ہے
ہٹ دھرمی کا روگ تو اس نے بچپن ہی سے پالا ہے
الٹا بیٹھے ٹہنی کاٹے تیز ہوا کے جھونکوں میں
من موجی ہے بات کسی کی کب یہ سننے والا ہے

☆

المیہ ہے اس پہ لعنت چھا رہی ہے دیکھئے
اب اسے اس کی انا ہی کھا رہی ہے دیکھئے
اس نے شیشے کی عمارت جو ابھی تعمیر کی
آج سب کی ٹھوکروں میں آرہی ہے دیکھئے

☆

غلط مسئلہ اٹھایا جارہا ہے
غلط قصہ سنایا جارہا ہے
غلط تصویر ماضی کی دکھا کر
حقیقت کو چھپایا جارہا ہے

اگر رضاؔ جالنوی سنجیدگی کے ساتھ اپنے قطعات کے مجموعوں کو کتابی شکل میں شائع کرتے ہیں تو یہ ادب میں ان کا ایک نا قابل فراموش کام ہوگا۔ امید ہے کہ وہ اس بات پر غور کریں گے۔

رضاؔ جالنوی نے ایسے کئی قطعات تخلیق کئے جو انھیں ادب میں بلند مقام پر فائز کرتے ہیں انہی میں سے چند قطعات پیش کر کے میں اپنے قلم کو آرام دیتا ہوں ۔

نفرت کے بیج ظالم دانستہ بو رہے ہیں
سرمایۂ محبت نادان کھو رہے ہیں
پھر صاف ہو رہے ہیں ماضی کے دھندلے نقشے
گوروں کے سب مظالم پھر تازہ ہو رہے ہیں

☆

ہم تم تباہیوں کے دہانے پہ آگئے
اک قیمتی خزانہ گنوانے پہ آگئے
نقشے خلوص و پیار کے دھندلا گئے ہیں سب
اقدار گنگا جمنی نشانے پہ آگئے

☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

بقیہ: رضاؔ جالنوی ایک پہلو دار شخصیت

کہ بقول خود نورالحسنین 'رضا جالنوی میری نوعمری کا ساتھی جوانی کا یار' ڈھلتی عمر کا رفیق ہے، ہم نے ادب سے دوستی بھی کم و بیش ایک ساتھ ہی کی تھی' اس کے باوجود رضا جالنوی کی اِس عدم توجہی کے باوجود اُن کو شہر کی کئی انجمنوں سے اعزاز حاصل ہوا ہے جن میں اقبال اکیڈیمی، پاسبان ادب اورنگ آباد وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ماہنامہ 'تعلیمی سفر' نے آپ کی شخصیت اور فن پر حال ہی میں خصوصی شمارہ شائع کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اگر کتابوں کی اشاعتوں کا اہتمام کرتے تو ریاستی اور ملکی سطح پر کئی انعامات سے نوازے جاتے۔ ویسے بھی ان کی طویل ادبی خدمات کا ویسا اعتراف نہیں ہوا ہے جیسا ہونا چاہیے تھا اور جس کے وہ مستحق رہے ہیں۔ 'عالم گیر ادب' کتابی سلسلے کے تحت اُن کی خدمات کے اعتراف کی یہ پہل یقیناً قابل ستائش ہے۔ رضا جالنوی جیسی جاذب نظر' پہلو دار شخصیت کی خدمت میں ایک بار پھر میں اپنی اسی بات کا اعادہ کرتا ہوں شاید میری اس تکرار کی جوں' اب تو ان کے کان پر رینگے اور وہ اپنی کتابیں نہ چھپوانے کا فیصلہ فوری بدل دیں۔ اس طرح مرحوم عارف خورشید کے کتابی سلسلہ کا مقصد بھی تکمیل کی منزلیں پا سکتا ہے۔ کم از کم بچوں کے ادب کے اپنے سرمائے کی اشاعت ہی کو اگر وہ یقینی بنائیں تو بہت ممکن ہے کہ ساہتیہ اکادمی کے ادب اطفال ایوارڈ سے نوازے جائیں۔ اس طرح اپنا ادبی قد جو پہلے ہی بلند ہے اُسے مزید بلند کرتے ہوئے علاقہ مرہٹواڑہ کے نام کو اس خصوص میں ضرور روشن کریں گے۔ میں اس امید کے ساتھ اس ایوارڈ کی پیشگی مبارکباد پیش کرتے ہوئے آخر میں دعا گو ہوں۔

ع اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے ☆☆☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

درس و تدریس سے وابستہ باکمال شاعر رضاؔ جالنوی

ڈاکٹر خلیل صدیقی قاضی (لاتور)
موبائل : 9422658736

ایسے اہلِ قلم جو زندگی کے خدوخال کی ترتیب وتزئین میں مخلصانہ اور دیانت دارانہ رویہ اختیار کرتے ہیں ، انہیں اپنی شخصیت اور اپنی فنکارانہ حیثیت کو سنوارنے، نکھارنے اور منوانے میں کبھی بھی مایوسی نہیں ہوتی اور ایسے ہی صاحبانِ فکر ونظر اپنا دامن مراد ہمہ اقسام کے خوش رنگ پھولوں سے بھر لیتے ہیں جو کانٹوں پر چلنے کا ہنر بھی جانتے ہیں معاشرہ میں سانس لینے والے اس طرح کے داشنوروں کا ایک ایک لمحہ حیاتِ جاوداں کی بشارت دیتا ہے اور وہ بلا قید موسم اپنے فکر وخیال کو پیراہنِ گل سے آراستہ کرتے ہوئے اپنے دل وجان کو معطر کیا کرتے ہیں۔ایسے باشعور شائستہ مزاج اور مہذب لوگ تخلیقی عمل سے گزرتے ہوئے جب شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو آس پاس کے ماحول کو عطر بیز فضاؤں سے روشناس کرواتے ہیں اور جو قلم کار ذہنی وفکری طور پر تربیت یافتہ ہو اور جس کے فکر وخیال میں سلسلۂ روز وشب کی نرمی وگرمی ہو وہ بلا شبہ ادب میں اپنی ایک الگ پہچان بنالیتا ہے۔اپنی شناخت انسان کا سب سے اہم سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ اپنے وجود کا احساس انسان کو باوقار انداز میں جینے کا فن سکھاتا ہے۔اپنی شاعرانہ انا اور اپنی خودی کا تحفظ اصول پسند اور باعمل اہلِ قلم کا وتیرہ ہوتا ہے۔

اورنگ آباد کے نامور شاعر رضاؔ جالنوی کو خدا نے ان ہی خوبیوں سے سرفراز کیا ہے۔اس شہر میں خود اعتمادی کے ساتھ عملی زندگی گزارنے والے اس سرزمین محبت نواز سے والہانہ وابستگی رکھنے والے اور یہاں کے بنتے بگڑتے معاشرہ کا اپنے آپ کو ایک حصہ سمجھنے والے لوگ زندگی کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ حیات کی تلخیوں اور شب و روز کی کشمکش سے بھی اچھی طرح مانوس ہیں۔

رضاؔ جالنوی نے ایک نمائندہ شاعر اور معاشرہ میں پسند کئے جانے والے ایک اچھے انسان کی طرح اپنی زندگی کے سفر کو خوشگوار انداز میں جاری رکھا ہے۔اُن کی طبیعت ہمہ رنگی خصوصیات کی حامل ہونے کے علاوہ تنوع پسند ہے۔ان کے رکھ رکھاؤ، ان کی نشست و برخواست کی میانہ روی اُن کی شخصیت کی آبیاری میں معاون رہی رضاؔ جالنوی نے ایک معتبر شاعر کی طرح اپنی مخصوص انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے فن کے ساتھ دیانت داری کا ثبوت دیا ہے۔

اُن کا شاعرانہ لب ولہجہ اُن کے شائستہ انداز گفتگو کی طرح متاثر کرتا ہے۔ اُن کی شاعری مشاہدات، تجربات اور محسوسات کا ایک دل آویز تحفہ ہے۔ معاشرہ کے اُتار چڑھاؤ اور نیرنگیٔ حیات نے اُن کی شاعرانہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے۔رضاؔ جالنوی زائد از ۵۰ برس سے شعر و ادب کی محفلوں میں اپنے شاعرانہ وجود کا بھرپور احساس دلاتے رہے ہیں۔نشتر کی طرح دل میں اتر جانے والے ان کے شعر اور خاص کر اخبارات میں مسلسل چھپنے والے قطعات قاری وسامع کو یکساں طور پر متاثر کرتے ہیں۔ ایک ایسا شاعر جو اپنے تجربات اور ماحول کی عطا کی ہوئی واردات کو اپنے فکر و فن میں سمو دیتا ہے،اس کے شاعرانہ لب ولہجہ میں خود بہ خود پُراثر کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ رضاؔ جالنوی معاشرہ میں اپنی شاعرانہ انفرادیت کی وجہ سے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

ایسے ہی شاعر ہمارے علاقہ کی آبرو سمجھے جاتے ہیں جو متوازن طرزِ حیات کے ساتھ معاشرہ میں باعزت مقام پاکر اپنی شخصیت کی نشوونما میں مصروف ہیں اور ایسے محترم شاعر ہی اپنے دور کی ادبی تاریخ کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔

رضاؔ جالنوی نے اپنی شائستہ روش سے دانشورانِ شعر و ادب کی صفوں میں اپنے لئے ایک اہم جگہ بنالی ہے۔ ان کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ہے۔انہوں نے صرف اچھی غزلیں ہی نہیں کہیں بلکہ بہت ہی پُراثر نظمیں اور قطعات بھی کہے ہیں اس طرح انہوں نے اپنی شاعری کے ساتھ انصاف کیا ہے۔وہ ایک طویل عرصہ تک پیشہ درس وتدریس سے وابستہ رہے۔اپنی تدریسی ذمہ داری کو دیانت داری کے ساتھ پورا کرتے رہے۔اپنے شاعر دوستوں کی طرح اپنے ہم پیشہ اساتذہ سے بھی ان کے روابط استوار رہے۔

رضاؔ جالنوی نے اپنی شاعرانہ زندگی میں بہت سے عمدہ شعر کہے ہیں۔ کچھ غزلیں، نظمیں اور قطعات اس خصوصی شمارے میں شامل ہیں۔کچھ اشعار نذرِ قارئین ہیں۔ یقیناً یہ شعر بھی اُن کے دوسرے اشعار کی طرح پسند کئے جائیں گے ۔

تو نے تو ہمیشہ ہی چھپائے ہیں حقائق
کیوں راز اُگلتا ہے بتا ماجرا کیا ہے

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

رضاؔ جالنوی طنز و مزاح کا معروف قطعہ نگار

وجاہت قریشی (اورنگ آباد)
Mob:9850398300

یوں تو اردو ادب اور دیگر زبانوں کے ادب میں کئی اصنافِ سخن پائی جاتی ہیں لیکن اردو ادب میں غزل نے جو مقام حاصل کیا ہے بے مثال ہے۔ اسی طرح اردو ادب میں غزل کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن جیسے پابند نظم، آزاد نظم، نثری نظم، رباعیات، تثلیثات، قطعات، ہزل اور طنزیہ مزاحیہ کلام ان اصناف کو بھی پسند کیا اور سراہا جاتا ہے۔ آج قطعات کو اس لیے بھی پسند کیا جاتا ہے کہ صرف چار مصروں میں شاعر اپنا خیال مکمل رسائی کے لئے کافی سمجھتا ہے۔ اسی فنی خوبی کے باعث کئی قطعہ نگاروں کو ناموری حاصل ہے۔ ایسے ہی قطعہ نگاروں میں کہنہ مشق معروف شاعر، افسانہ نگار و ادیب رضاؔ جالنوی کا شمار ہوتا ہے۔ یوں تو رضاؔ جالنوی بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں۔ آپ کی شاعری روایت و جدیدیت کا امتزاج ہے۔ رضاؔ جالنوی کی شاعری کی عمر بھی خاصی طویل ہے۔ مختصر یہ کہ ع

دو چار برس کی بات نہیں یہ نصف صدی کا قصہ ہے

بطورِ قطعہ نگار آپ کو کافی پسند کیا جاتا ہے۔ رضاؔ جالنوی نے گذشتہ دہوں میں ہزارہا قطعات کہے ہیں جو اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ حالات حاضرہ کے آئینہ میں بڑے بیباکانہ انداز سے حقائق پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ حالات حاضرہ پر کہے گئے مزاحیہ قطعات نے رضاؔ جالنوی کو شہرت بخشی ہے۔ آپ کے قطعات معروف و موقر روزناموں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز، روزنامہ ایشیاء ایکسپریس، روزنامہ شمع رہبر، روزنامہ اور شامنامہ مالیگاؤں، قابل ذکر ہیں۔ گاہے ماہے روزنامہ انقلاب میں بھی قطعات شائع ہو چکے ہیں۔

جب دست زیدی سے صدر امریکہ پر جوتا پڑا تھا انقلاب نے موصوف کا یہ قطعہ شائع کیا تھا۔

سر یقیناً جھکا تکبر کا
اپنی طاقت دکھا گیا جوتا
ساری دنیا پہ چھانے والے اب
لے ترے سر پہ چھا گیا جوتا

روزنامہ ایشیاء ایکسپریس میں گذشتہ نو (۹) برسوں سے بلاناغہ متواتر حالات حاضرہ پر برجستہ قطعات کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کبھی قطعات طنزیہ کہتے ہیں کبھی مزاحیہ کبھی مفکرانہ کبھی ظریفانہ انداز ارباب اقتدار اور سیاست پر بڑے دلچسپ انداز میں چوٹ کستے ہیں۔ لیکن غزل گوئی میں نہایت سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ یہی آپ کی انفرادیت ہے۔ رضاؔ صاحب نے دیگر، اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ افسانہ نگاری، افسانچہ نگاری، ریڈیائی ڈرامے، خاکے، انشائیے اور نثری و آزاد نظمیں آپ کی قلمی کاوشوں کا بین ثبوت پیش کرتی ہیں۔ قلندرانہ مزاج کا یہ شاعر کم گو اخلاص کا پیکر اور سادہ لوحی کی تصویر ہے۔

اور انہی صفات کے باعث اپنے وسیع حلقہ احباب میں کافی مقبول بھی ہے۔ رضاؔ جالنوی بحیثیت ناظم مشاعرہ بھی معروف ہیں۔ رضاؔ جالنوی نے کم و بیش سوا سو

چھوٹی بڑی نشستوں اور مشاعروں کی بحسن و خوبی نظامت کی ہے۔ خواہ چھوٹی نشست یا چھوٹی محفل ادب ہو یا مشاعرے ہوں رضاؔ صاحب بحیثیت ناظم مشاعرہ نظر آتے ہیں۔ شعراء ادب کی خوبصورت محفلوں میں رضاؔ صاحب رونق محفل ثابت ہوتے ہیں۔

کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی رہی وہاں اک چراغ جلا دیا

مندرجہ بالا شعر رضاؔ صاحب کی شخصیت اور ان کی گرانقدر ادبی خدمات کا عکاس و مظہر ہے۔ رضاؔ جالنوی نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ شعری نشست۔ مشاعرہ یا کوئی شعری ادبی مجلس کس معیار و درجہ کی ہے۔ چھوٹی ہے یا بڑی ہے۔ شعراء حضرات کون ہیں مقامی یا بیرونی ہیں۔ کہنہ مشق ہیں یا مبتدی، آرگنائزر، کنوینر کون ہیں! بس انہیں دعوت نامہ ملا اور رضاؔ صاحب جذبۂ خدمات ادب کے تحت اپنا ادبی تعاون پیش کرنے ہمہ وقت آمادہ نظر آئے۔ نہ صلہ کی پرواہ نہ ستائش کی تمنا۔ بلا عذر و حیلہ رضاؔ جالنوی اپنی ادبی خدمات انجام دینے پہنچ گئے اور انجمن پر رونق ہوگئی۔ رضاؔ جالنوی خوشگوار مزاج رکھتے ہیں۔ خوش کن لب و لہجے کے مالک ہیں۔ جناب کی نظامت سنجیدگی اور ظرافت کا امتزاج ثابت ہوتی ہے۔ ۲۰۱۶ء سے ایشیاء میں بلاناغہ چھپنے والے قطعات قارئین کی نگاہ کا مرکز ہوتے ہیں۔

پھول غنچے نکھر تو جانے دو
نظمِ گلشن سنور تو جانے دو
اچھے دن آئیں گے یقیناً پر
یہ برے دن گزر تو جانے دو

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

☆

فلسفہ گاندھیائی اپناتے
آپ بھی رنگ اس میں بھر دیتے
ایک رخسار زد میں آتے ہی
دوسرا گال پیش کر دیتے

جب پارلیمنٹ میں راہل گاندھی کی ایک حرکت کو اُچھالا گیا تھا۔

یہ ادا بھی تری نیاری ہے
تو نے دانستہ آنکھ ماری ہے
تو بھی نکلا میاں چھپا رستم
سب سمجھتے ہیں برہمچاری ہے

جب موجودہ حکومت مہاراشٹر تین پارٹیوں کے اشتراک واتحاد سے بنی۔

آرزو ہے کہ رنگ لائی ہے
آج تقدیر بن کے آئی ہے
پھر بھی محتاط بیٹھنا ہوگا
تین پائیوں کی چار پائی ہے

☆

یہ مرا ہی قصور ہے سارا
اختراع نے میری تجھے مارا
کاش تدبیر ڈھونڈ لیتا میں
موم بتی جلا کے میں ہارا

☆

جہاں بھی چاہی تباہی وہاں چلا آیا
فضا حسین تھی کرنے دھواں چلا آیا
بہت ہی تیز ہے رفتار تیری کورونا
بلیٹ ٹرین سے پہلے یہاں چلا آیا

☆

زمانے بھر کی آوازیں اٹھی تھیں کل نقابوں پر
بڑی تنقید ہوتی تھی رداؤں پر حجابوں پر
یہ کیسا وقت آیا ہے لگائے ماسک پھرتے ہیں
قیامت آج ٹوٹی ہے رضاؔ خانہ خرابوں پر

☆☆☆☆

بقیہ : درس و تدریس سے وابستہ .....

☆

ذکر اس کا چھڑا اور غزل ہوگئی
زخم تازہ ہوا اور غزل ہوگئی

☆

اتنی شرافتیں بھی مناسب نہیں ابھی
ماحول بدلا بدلا ہے تو بھی بدل ذرا

☆

تم نے تو چُن لیے ہیں سبھی راحتوں کے گُل
کانٹا مرے ہی پاؤں لگا تم کو کیا خبر

اور ظرافت سے لبریز یہ قطعہ ملاحظہ فرمائیں۔

دو فقیروں کی گفتگو سنئے
ایک بولا یہ بستی کیسی ہے
دوسرے نے کہا' یہاں مت مانگ
سب کی حالت ہمارے جیسی ہے

حالاتِ حاضرہ اور بھارت کے کسانوں کے احتجاج پر دیکھئے رضاؔ صاحب نے کیسی عمدہ ضرب کاری کی ہے۔

نشہ بہت برا ہے میاں اقتدار کا
پرسان حال کون یہاں کاشتکار کا
دہقان رو رہا ہے پریشان کیوں نہ ہو
دشمن جو باغبان ہو فصل بہار کا

☆☆☆

بقیہ : رضا جالنوی ایک بہترین شاعر .....

قطعات قارئین اخبارات میں پڑھ سکتے ہیں ان کے حوالوں کی طوالت کے خوف سے گنجائش نہیں۔ رضاؔ کی قطعات گوئی میں قادرالکلامی، مہارت و برجستگی کا اظہار ہے۔

رضاؔ کی افسانہ نگاری :

رضاؔ جالنوی نعت گوئی غزل گوئی قطعات گوئی کے علاوہ کئی برسوں پہلے سے افسانے بھی لکھ رہے ہیں۔ رضاؔ کے افسانوں میں عشق ومحبت رومانیت کے موضوعات کے علاوہ عصری حالات، فسادات اور سماجی انتشار اور معاشرتی موضوعات بھی پائے جاتے ہیں۔ اور رضاؔ نے بہترین افسانچے بھی رقم کئے ہیں۔

رضاؔ جالنوی کی فیچر نگاری :

کئی سالوں سے رضاؔ جالنوی اورنگ آباد آکاشوانی سے نشر ہونے والے ماہانہ فیچر (باتوں باتوں میں) دیوان خانہ میں فیچرس لکھ رہے ہیں وہیں ان فیچر میں عصری موضوعات کے علاوہ میاں بیوی کی نوک جھونک پیش کرتے ہیں اور ان میں طنز و مزاح کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ رضاؔ جالنوی ادبی ہمہ جہت شخصیت ہیں اور نیک ملنسار اور خلیق انسان ہیں۔

☆☆☆

مختصر یہ کہ اس اچھے شاعر اور انسان کی ادبی خدمات اور نگارشات کو ادبی دنیا میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

☆☆☆

☆☆☆☆

رضاؔ جالنوی

علیم الدین علیم (ممبئی)
موبائل : 7303817572

نام سید رحیم الدین تخلص المعروف رضاؔ جالنوی۔ سید ضیاء الدین کے گھر رضا صاحب ۹ رجون ۱۹۴۳ء کو عنبڑ ضلع جالنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد علم دوست انسان تھے ادب سے انہیں شغف تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن جالنہ میں حاصل کی ثانوی تعلیم خلد آباد میں بذریعہ مراٹھی حاصل کی اور درس و تدریس جیسے معظم پیشہ سے ۱۹۶۵ء میں وابستہ ہوئے مختلف مقامات پر اپنے فرائض انجام دیئے اور ترقی کرتے ہوئے صدر مدرس ہوگئے۔ جون ۲۰۰۱ء میں اورنگ آباد سے بحیثیت صدر مدرس وظیفہ بہ حسن حاصل کیا۔

رضاؔ جالنوی صاحب جدید شاعری کی نمائندگی کرنے والی شخصیت ہیں۔ ہندوستان کے رسائل و جرائد میں رضاؔ صاحب کا کلام شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکا ہے شعر گوئی میں اپنا منفرد لہجہ رکھنے والے رضاؔ صاحب اپنی خوبصورت نظامت اور لب ولہجہ کے لئے بھی جانے جاتے ہیں ان کے بہت سے روایتی وجدید اشعار ان کے خیالات کی ندرت اور تازگی کے عکاس ہیں۔ ان کے کلام میں حالاتِ حاضرہ کی سچائی پنہاں ہوتی ہے۔

ان کی شاعری میں منجملہ وہ تمام صفات موجود ہیں جن سے جدید لب ولہجہ اور روایتی رنگ کو ملا کر ایک خوبصورت شاعری پیدا ہوتی ہے۔ رضاؔ صاحب کے پاس موضوعات کو برتنے کا انداز نرالہ اور دلنشین ہے۔ مجموعہ کلام زیر طباعت ہے ابھی تک شائع نہیں کیا آپ کے چار لڑکے برسر روزگار ہیں۔ رضاؔ صاحب آج کل اورنگ آباد میں مقیم ہیں اور ان کی دیگر مصروفیات میں اورنگ آباد ٹائمز اور ایشیاء ایکسپریس میں حالات حاضرہ پر روزانہ قطعات لکھنا ہے۔

﴿نمونہ کلام﴾

حالات سازگار نہیں ہیں سنبھل ذرا
محصور دائروں میں ہے باہر نکل ذرا
اتنی شرافتیں بھی مناسب نہیں ابھی
ماحول بدلا بدلا ہے تو بھی بدل ذرا
اسلاف نے تو سر سے کفن باندھ لیا تھا
ان پستیوں سے تو بھی ابھر کر مچل ذرا
پتھر بھی تو نہیں ہے کہ حرکت نہ کر سکے
آدم کی نسل سے ہے اگر تو پگھل ذرا
مرکز سے ہٹ کے وہ بھی تو چلتا ہے ان دنوں
محور سے ہٹ کے تو بھی تو دو گام چل ذرا
غفلت کہوں اسے کہ کہوں بے حسی اسے
اس بے حسی میں لائے تو کوئی خلل ذرا

ممتاز شاعر رضاؔ جالنوی منفرد قطعہ نگار

عبدالواجد یوسف زئی
(اورنگ آباد)
موبائل : 9665417868

تقریباً بارہ سال قبل رضا جالنوی صاحب سے میری ملاقات ایک شعری نشست کے دوران ہوئی تھی۔ معین الدین عظیم مرحوم کے دولت کدہ پر شعری نشست رکھی گئی تھی۔ جس کے صدر مکرمی جے پی سعیدؔ تھے۔ پروفیسر عبدالوہاب جذبؔ، عبدالقدیر سیفی، عبدالحمید اورنگ آبادی، ابراہیم رضا، خمارؔ پٹنی، رحمٰن محمدی، محمد جعفر سوزؔ، شوکت انور، ابوالکلام راہیؔ، جاوید امان اور ناظم نشست رضا جالنوی موجود تھے۔ اِس نشست میں سامعین کی کثیر تعداد تھی۔ اس مشاعرے کے کنوینر احمد خان ایم اے تھے۔ رضاؔ جالنوی اعلیٰ پایہ کے شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اُن کی غزلیں کلاسیکی شاعری کا مظہر ہیں۔ اِن کی غزلوں میں بلا کا تغزل پایا جاتا ہے۔ شعر فہمی اور شعر سخنی کے سبب اورنگ آباد کے کئی معیاری نشستوں و مشاعروں کی تقریباً بیس سال سے خوبصورت انداز میں نظامت کرتے آئے ہیں۔ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے وقت کے میزان پر تولتے ہوئے رضا صاحب نے قطعات نگاری کو اہمیت دی۔ ان کے قطعات کم وبیش سیاسی حالات پر لطیف انداز میں ضرب کاری سے پُر ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ظلم کے خلاف غیر محسوس طریقے سے حق گوئی کے لئے جرأت مندانہ قلم اٹھانا آسان کام نہیں ہے۔ حکومت و سیاست پر مزاحیہ انداز میں طنز ان کا خاصہ رہا ہے۔ اپنی بذلہ سنجی والے قطعات کی وجہ سے لوگ اخبار میں سب سے پہلے ان کے قطعات پڑھنے کے عادی ہوگئے ہیں۔ حالات حاضرہ کی عکاسی ان کے مختصر قطعات میں ہوجاتی ہے۔ بلاناغہ ایک دہائی سے روزنامہ اورنگ آباد ٹائمز اور ایشیاء ایکسپریس میں شائع ہونا اور پھر عام وخاص میں مقبولیت کا باعث بننا، چار مصرعوں میں نازک سے نازک حالات کو قلمبند کرنا (شعریت کو ملحوظ رکھتے ہوئے) بہت بڑا کمال ہے۔ یہ اللہ کی دین ہے۔ رضاؔ جالنوی ایک اچھے ناقد اور ایک اچھے انسان کے طور پر ادبی حلقے میں جانے جاتے ہیں۔ رضاؔ جالنوی ایک خوش مزاج، ملنسار اور پُرخلوص انسان ہیں اور بڑی محنت ولگن سے ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جہاں سے دیکھئے ایک شعر شور انگیز نکلے ہے
قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

نجیب الطرفین رضاؔ جالنوی

ذکی صدیقی (اورنگ آباد)
موبائل : 9371062367

نجیب الطرفین رضاؔ جالنوی دراصل قاضی سید رحیم الدین رضاؔ جالنوی ہیں۔ پیشۂ تعلیم و تعلم سے وابستگی اور نونہالانِ قوم کی علمی آبیاری کے بعد وظیفۂ حسن خدمات پر رہ کر اہل خاندان و اہل قبیلہ کی خدمات پر مامور رہتے ہوئے اپنی شاعری و نثر سے تشنگانِ ادب کی پیاس بجھانے کے سامان کر رہے ہیں۔ ہماری ملاقات گو کہ بہت زیادہ کہنہ نہیں ہے تاہم ایک مختصر سے عرصے ہی میں ہم نے رضا صاحب کو اپنا ادبی پیرو مرشد تسلیم کرلیا ہے۔ نہایت سنجیدہ فکر اور سنجیدہ و قلندرانہ خدو خال کی حامل شخصیت جس کی اُوٹ سے بردباری اور پاکیزگی بھری ظرافت و مزاح بھی اکثر نظر آجاتے ہیں۔ شاعری کے حوالے سے گو کہ علاقہ بھر رضاؔ جالنوی معروف و معتبر تسلیم کئے جاتے ہیں سینکڑوں مشاعروں و نشستوں کی نظامت بھی کرچکے ہیں۔ دوستوں کی محفلوں میں بڑی ہی فیاض شخصیت مانے جاتے ہیں۔ اپنے کام بدست خود کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کم و بیش اسّی کی عمر کے دورانیے میں بھی باپیادہ شہر کی لمبی لمبی مسافتیں طئے کرتے ہیں۔ تھک بھی جاتے ہیں راستے میں تھوڑا کہیں سستا بھی لیتے ہیں اور شاید اسی تناظر میں انہوں نے کبھی یہ شعر بھی کہہ دیا ہو کہ ؎

منزل کے نہ ملنے کا یہی ایک سبب ہے
دم بھر کیا رُکے وقت نے رفتار بڑھا دی

رضاؔ صاحب جب افسانے لکھتے ہیں تو اس کینواس کو بھی انتہائی جاذبِ نظر اور خوبصورت بنا دیتے ہیں اور ان کے افسانے قاری کے دل کو چھو لیتے ہوں۔

غزلوں اور نظموں میں رضاؔ صاحب کبھی محبت کا رنگ بھرتے ہیں تو کبھی سماج کے رستے ہوئے ناسور پر نشتر زنی کرتے نظر آتے ہیں یا پھر جابجا معاشرے کو منزل کی تگ و دو اور تیز گامی و حوصلہ مندی کے پند و نصائح سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ ؎

پستیوں کو بلند یاں مت لکھ
ظلمتوں کو تجلیاں مت لکھ

یا پھر شکوے یا طنز کا یہ انداز بھی دیکھیں کہ ؎

کیوں میں سوچوں رضاؔ کہ تنہا ہوں
میرا سایہ تو ساتھ ہو لے گا

مدمقابل کے تفاخر اور اپنے نامساعد حالات میں سخت کوشی کا عزم اور للکارنے کا انداز بھی ملاحظہ کریں ؎

اونچی پرواز پہ وہ نازاں ہے
بال و پر ہم بھی اب نکالیں کیا
ایک فالج زدہ شہر ہے یہ
ہم بھی بیساکھیاں اٹھالیں کیا

رضاؔ جالنوی صاحب انتہائی منکسر المزاج شخصیت کے مالک ہیں۔ اخلاق، اخلاص اور صداقت اُن کی فطرت میں ہے اور یہی خوبیاں اُن کے کلام میں بھی نظر آتی ہیں۔ عصر حاضر میں رضاؔ جالنوی ایک فعال شاعر کی حیثیت سے جانے و مانے جاتے ہیں۔ ان کے لکھے گئے قطعات سماج و سیاست کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور روز شائع ہوتے ہیں اور عوام میں پسند بھی کئے جاتے ہیں۔ رضاؔ جالنوی غزلیں بھی تخلیق کرتے ہیں۔ ثلیثات اور نظمیں بھی اور ان سب شعری اصنافِ سخن میں انھیں مہارت حاصل ہے۔ مگر بحیثیت قطعات نگار وہ انفرادیت کے حامل ہیں اور اِس وقت نہ صرف مرہٹواڑہ بلکہ مہاراشٹر میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔

☆☆☆

بقیہ : رضاجالنوی کی گرانقدرادبی .....

اپنے چہرے پہ عبارت کو اُبھرنے مت دو
دور تک دل کی تباہی کی خبر جاتی ہے

رضاؔ جالنوی قطعہ نگاری کے سبب جانے پہچانے جاتے ہیں حالاتِ حاضرہ پر اُن کے قطعات کافی پسند کئے جاتے ہیں ؎

سارے قصے بھول گئے تم سچی کہانی بھول گئے
پچھلے عہد کے سلطانوں کا حسنِ بیانی بھول گئے
ہم ہیں کہاں کے رہنے والے ہم سے پوچھ رہے ہو تم
تاج محل اور لال قلعے کی اعلیٰ نشانی بھول گئے

☆

کس نے سوچا تھا چمن میں ایسے دن بھی آئیں گے
فصلِ گل میں پھول غنچے اس قدر مُرجھائیں گے
ہم نے کی ہے آبیاری خوں سے سینچا ہے چمن
کیا خبر تھی ہم چمن سے یوں نکالے جائیں گے

☆

زمین کے ٹکڑوں کی ادنیٰ خواہش لئے ہوئے سب الجھ رہے ہیں
بگڑ رہے ہیں زمینی رشتے یہ کب کہاں سلجھ رہے ہیں
نہ یہ معمہ نہ یہ پہیلی زمیں خدا کی فلک خدا کا
کھلی ہوئی ہے کتاب قدرت کہاں یہ ناداں سمجھ رہے ہیں

موجودہ ملکی و عالمی سیاست پر عوامی زبان میں طنزیہ قطعات کہنا رضاؔ جالنوی کا کمال فن ہے۔ دعا ہے کہ ان کا یہ شعری سفر یوں ہی جاری و ساری رہے۔ ☆

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.

رضاؔ جالنوی کی گرانقدر ادبی خدمات اور شخصیت

ڈاکٹر سہیل ذکی الدین
(اورنگ آباد)
Mob: 9270423786

شہر اورنگ آباد کو ہر دور میں گہوارۂ ادب کی سند حاصل رہی ہے۔ ولی وسراج کی سرزمین ہمیشہ ہی ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہے۔ اس شہر کی خاک سے نامور شعراء اٹھے ہیں۔ جن کی ایک طویل فہرست ہے۔ گذشتہ و رواں صدی کے نامور شعراء نے اس شہر کو شہرت بخشی ہے۔ ان میں قاضی سلیم، بشرؔ نواز، قمرؔ اقبال، اختر الزماں ناصر، جے پی سعیدؔ، فاروق شمیم، خان شمیم کے نام گنوائے جاسکتے ہیں۔ جن کی آواز درونِ ملک و بیرون ملک باصرہ نواز ہوئی ہے۔ لیکن بیسویں صدی کی آخری دہائی میں یہاں کا ادبی منظر بدلنے لگا۔ ادبی سرگرمیاں ماند پڑنے لگیں اور ایک طرح سے ادبی جمود طاری ہوتا گیا۔ معروف شاعر افتخار ادب بشر نواز مرحوم بھی اس ادبی جمود سے قدرے فکرمند نظر آئے۔ شاید اسی لئے انہوں نے سمیع الدین اطہر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس شہر میں ادبی سرگرمیاں دم توڑ رہی ہیں۔ چند ایک عمر رسیدہ شعراء جو نصف صدی کی عمر رکھتے ہیں نظر آتے ہیں۔ جن میں پروفیسر شاہ حسین نہری، پروفیسر عبدالوہاب جذبؔ، ڈاکٹر سحرؔ سعیدی، اسلم مرزا، خان شمیمؔ، فاروق شمیمؔ، اور رضاؔ جالنوی ہیں۔ ان شعراء کے بعد شہر میں ادبی سناٹا نظر آتا ہے۔ بشرؔ نواز کی فکر پیش گوئی اور خدشہ درست ثابت ہو رہا ہے۔

آج بشرؔ نواز، میر ہاشم، پروفیسر عبدالوہاب جذبؔ، ڈاکٹر سحرؔ سعیدی اور عارف خورشید بھی نہیں رہے۔ نئے شعراء میں دو ایک نام ہی ایسے ہیں جن سے مستقبل میں بہتر شاعری کی امید کی جاسکتی ہے۔

پروفیسر عبدالوہاب جذبؔ کا دم غنیمت تھا۔ ماہانہ نشستیں و مشاعرے ہوتے رہے۔ لیکن اب مکمل ادبی سکوت و جمود اور سناٹا ہے۔ تاہم چند کہنہ مشق بزرگ شعراء آج بھی اپنا شعری سفر جاری و ساری رکھے ہوئے ہیں۔ ان بزرگ شعراء میں رضاؔ جالنوی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ رضاؔ جالنوی کا شعری سفر بھی پانچ دہائیوں پر محیط ہے۔ رضاؔ جالنوی گذشتہ پچاس برسوں سے ادبی سرگرمیوں کا حصہ بھی رہے ہیں۔ اس شاعر نے کئی چہرے چڑھا رکھے ہیں۔ شاعری بھی کی افسانہ نگاری بھی کی انشائیے، ڈرامے، خاکے بھی تحریر کئے اور طنز و مزاح کے قطعہ نگار بھی کہلائے۔ رضاؔ جالنوی نے داغ کا اسلوب پسند کیا۔ بے شمار قطعات عوامی زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہے جو اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ گذشتہ برسوں سے بلاناغہ حالاتِ حاضرہ پر اُن کے قطعات شائع ہو رہے ہیں۔ برجستہ قطعات بھی رضاؔ جالنوی کی شہرت کا حصہ ہیں۔

ویسے بھی رضاؔ جالنوی اپنے کردار و گفتار سے اپنے حلقہ احباب و قارئین کے درمیان اپنی منفرد پہچان بنا چکے ہیں۔ کم سخن، نرم خو ہیں ہر خاص و عام میں مقبول ہیں۔ سادگی ان کا شعار ہے۔ اپنائیت وہ کہ مخالفین کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں۔ رضاؔ جالنوی کی شہرت و مقبولیت میں ان کی نظامتِ مشاعرہ کا بھی بڑا حصہ ہے۔

رضاؔ جالنوی کی شخصیت پر تحریر قلمبند کرنا خاصا دشوار کن ہو جاتا ہے۔ آپ سنجیدگی بھی اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ظرافت اور بزلہ سنجی میں بھی کہیں کم نظر نہیں آتے۔ آپ نے غزلیں سنجیدگی سے کہی ہیں تو کبھی رومانیت کو اوڑھ کر اشعار نکالے ہیں۔ المختصر رضاؔ جالنوی نے ہمہ رنگی شاعری کی ہے۔ اُن کی ابتدائی شاعری میں رومان و تغزل زیادہ چھلکتا ہے برائے تصدیق مندرجہ ذیل کلام ملاحظہ ہو۔

اُف یہ تیرا شباب کیا کہئے
مسکراتا گلاب کیا کہئے
تیری آنکھوں سے جو چھلکتی ہے
ارغوانی شراب کیا کہئے

☆

دل مضطرب ہے اور نظر بیقرار ہے
ہے کون وہ کہ جس کا انہیں انتظار ہے

☆

وہ جب نکلے نقابِ رُخ الٹ کر چودھویں شب میں
قمر نے کھو دیا تھا آسمان پہ روشنی اپنی
جنونِ عشق نے پہنچایا مجھ کو بزم جاناں تک
خرد مندی سے بہتر ہے رضاؔ دیوانگی اپنی

اس طرح کے عشقیہ اشعار اُن کی شاعری کا حصہ اول ہے۔ لیکن وقت و عمر کے ساتھ رضاؔ جالنوی کا طرز سخن و اسلوب بدلتا گیا۔ دائرہ حسن و عشق سے نکل کر سنجیدہ شاعری کی طرف بڑھنے لگے۔

منزل کے نہ ملنے کا یہی ایک سبب ہے
دم بھر کیا رُکے وقت نے رفتار بڑھادی
میں دل کے دریچے سے اُسے دیکھ رہا ہوں
آنگن میں مرے بھائی نے دیوار اٹھادی

☆

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

شاعر گوشۂ رضا جالنوی (شاعری)

غزلیں

اخلاص ومحبت پیار وفا نہ پاس ترے نہ پاس مرے
وہ کل کا خزانہ بیش بہا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

ہے تیرا تغافل ایک سبب کچھ میرا تساہل ایک وجہ
احساسِ محبت پاسِ وفا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

آواز کا موسم بیت گیا اندازِ تکلم بھول گئے
ہمراز مرے پُر کیف صدا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

کچھ میں بھی گھٹن محسوس کروں کچھ تازہ ہوا درکار تجھے
چہروں کو کھلا دے ایسی ہوا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

جو تیری جفا پر پڑ جائے جو میری وفا سے اٹھ جائے
اب ایسی کوئی بے مثل ردا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

میں ایک معمّہ تیرے لئے تو ایک پہیلی میرے لئے
تا حال کوئی اک راز کھلا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

اخلاص ویقیں کے ریشوں سے جو ہم نے مل کے بنائی تھی
وہ قیمتی ریشم جیسی قبا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

تو اپنے جہاں میں کھویا ہوا میں تنہا اپنے عالم میں
وہ کل کا تعلق آج رضؔا نہ پاس ترے نہ پاس مرے

تجھ کو فرصت کہاں ہے دم بھر کی
دیکھ حالت ہے آج کیا گھر کی

سارا ماحول سہاسہا ہے
دھند چھائی ہے خوف کی ڈر کی

اُس کا احساس مر گیا ورنہ
پگڑیاں نہ اچھالتا سر کی

خود سے وہ مطمئن اگر ہوتا
خاک یوں چھانتا نہ در در کی

ایک خانہ بدوش جیسا ہے
فکر گھر کی اُسے نہ بستر کی

خاک میں ہیں نہاں کئی ہیرے
چمکی قسمت تو ایک کنکر کی

ڈھونڈتا ہوں نشانِ منزل کو
یہ عنایت رضؔا ہے رہبر کی

انداز نیا طور نیا ماجرا کیا ہے
سلطان فقیروں سے ملا ماجرا کیا ہے

پھولوں کا نہ ہونا تو نئی بات نہیں پر
اب ہاتھ میں پتھر نہ ہوا ماجرا کیا ہے

تو نے تو ہمیشہ ہی چھپائے ہیں حقائق
یوں راز اگلتا ہے بتا ماجرا کیا ہے

وہ شخص جو کل ترک تعلق پہ تھا نازاں
دیتا ہے وہی درس وفا ماجرا کیا ہے

کیا جانئے کیا سوچ کے سر اُس نے جھکایا
ایسا تو کبھی بھی نہ ہوا ماجرا کیا ہے

میں پھر کسی سازش کا نشانہ تو نہیں ہوں
وہ ٹوٹ کے ملتا ہے رضؔا ماجرا کیا ہے

☆☆☆

ذکر اس کا چھڑا اور غزل ہوگئی
زخم تازہ ہوا اور غزل ہوگئی

تو نے پھینکا تھا پتھر مری سمت پر
آئینہ بن گیا اور غزل ہوگئی

بے رخی نے تری شعر اچھے دیئے
زخم رستا گیا اور غزل ہوگئی

میرؔ کو ہم سمجھتے رہے عمر بھر
داغؔ کو بس پڑھا اور غزل ہوگئی

کس کو فرصت کہ ساغر پہ ساغر بھرے
صرف چھائی گھٹا اور غزل ہوگئی

آپ بھی انجمن سے تو کچھ کم نہیں
آپ آئے رضؔا اور غزل ہوگئی

☆☆☆

وہ خود کو ارض مریخ و قمر کا جو مکیں سمجھا
پھر اس کے بعد تو اس نے زمیں کو کب زمیں سمجھا

یہ کیا کم ہے کہ ہم دونوں کھرے اترے مزاجوں پر
نہ تم نے دی جگہ دل میں نہ میں نے ہمنشیں سمجھا

فریب و جور کے چہرے نجانے اور کتنے ہیں
کبھی اپنا کہا اس نے کبھی دل کے قریں سمجھا

سیاہ راتوں کی سوغاتیں اسی نے دی جسے ہم نے
کبھی مہتاب سمجھا تو کبھی زہرہ جبیں سمجھا

وہ چھوٹا ہے مگر خود کو کبھی چھوٹا نہیں جانے
بڑا ہو کر کبھی میں نے بڑا خود کو نہیں سمجھا

وہ بیمار ذہن ہے عقل سے پیدل ہے کیا کیجئے
زمیں کو آسماں اور آسماں کو جو زمیں سمجھا

مری دانستہ لغزش تھی، جنوں تھا یا کہ وحشت تھی
میں اپنے اور بیگانوں کی سازش تک نہیں سمجھا

بڑے ہی ہنستے ہنستے زندگی میں نے گذاری ہے
رضؔا آہ و فغاں کو بھی صدائے نغمگیں سمجھا

پستیوں کو بلندیاں مت لکھ
ظلمتوں کو تجلیاں مت لکھ
مصلحت ہے کہ ہم نہیں الجھے
زور آور کو ناتواں مت لکھ
لب کشائی ترا وطیرہ ہے
بے خبر ہم کو بے زباں مت لکھ
تو مورّخ ہے معتبر ہے تو
اک لٹیرے کو پاسباں مت لکھ
صرف گجرات لکھنا کافی ہے
وحشیوں کی تو داستاں مت لکھ
قتل دانستہ ہے مرے منصف
تو اسے مرگِ ناگہاں مت لکھ
میں برا ہوں تو لکھ برا لیکن
دوستوں کے تو درمیاں مت لکھ
دشمنوں سے رضاؔ گلہ مت کر
دوستوں کو بھی رازداں مت لکھ

☆☆☆

حالات سازگار نہیں ہیں سنبھل ذرا
محصور دائروں میں ہے باہر نکل ذرا
اسلاف نے تو سر سے کفن باندھ لیا تھا
ان پستیوں سے تو بھی اُبھر کر مچل ذرا
پتھر بھی تو نہیں ہے کہ حرکت نہ کر سکے
آدم کی نسل سے ہے اگر تو پگھل ذرا
مرکز سے ہٹ کے وہ بھی تو چلتا ہے ان دنوں
محور سے ہٹ کے تو بھی تو دو گام چل ذرا
غفلت کہوں اسے کہ کہوں بے حسی اسے
اس بے حسی میں لائے تو کوئی خلل ذرا
نفرت کے اب اندھیرے ہیں چاروں طرف رضاؔ
اُٹھ اور محبتوں کی جلا دے مشعل ذرا

عجب سی بے کلی ہے اور میں ہوں
شکستہ زندگی ہے اور میں ہوں
مرے نزدیک دنیا آ گئی ہے
تمہاری اک کمی ہے اور میں ہوں
بہاروں سے اُدھر وہ کھیلتے ہیں
ادھر پژمردگی ہے اور میں ہوں
وہاں سیرابیاں ہیں ان کا حصہ
یہاں تشنہ لبی ہے اور میں ہوں
خردمندی تجھے تیری مبارک
مری دیوانگی ہے اور میں ہوں
تری نسبت سے ہے پہچان میری
یہی تو برتری ہے اور میں ہوں
یہ کس کے درجبیں سائی ہے میری
یہ کس کی بندگی ہے اور میں ہوں

☆☆☆

فاصلے بے سبب ہی بڑھاتے رہے
ہم انھیں وہ ہمیں آزماتے رہے
زحمتِ دو قدم ہو گوارہ تمھیں
دو قدم ہم ہی آگے بڑھاتے رہے
تم نے گلشن اجاڑے مگر ایک ہم
پتھروں پر بھی سبزہ اگاتے رہے
جب بلندی نے پھینکا زمیں پر انھیں
مدتوں وہ قدم پھر جماتے رہے
وہ بھی ماضی کا نقشہ دکھاتا رہا
ہم بھی کاغذ کی کشتی بہاتے رہے
حسرتوں کے پرندے رضاؔ عمر بھر
شاخِ امید پر چہچہاتے رہے

☆☆☆

اپنے قصور کا اسے احساس ہو چلا
وہ فاصلے مٹا کے مرے پاس ہو چلا
اس کو بھی یاد آنے لگیں میری قربتیں
مجھ کو بھی بچھڑ جانے کا احساس ہو چلا
اس کا مزاج اور ہے میرا مزاج اور
پھر کون ہے جو میرے بہت پاس ہو چلا
چھوٹا سا گاؤں میرا ایودھیا سے کم نہیں
رہنا تمہارے شہر میں بن باس ہو چلا
اس موسم بہار کو کیا نام دیں رضاؔ
ہر پھول گلستان کا بے باس ہو چلا

☆☆☆

یہ بات الگ کس نے یہاں آگ لگا دی
بجھتے ہوئے شعلوں کو مگر تم نے ہوا دی
کب ہم نے شرائط پہ نبھائے ہیں مراسم
ہر بات پہ تم نے ہی نئی شرط لگا دی
میں دل کے دریچے سے اُسے دیکھ رہا ہوں
آنگن میں مرے بھائی نے دیوار اٹھا دی
منزل کے نہ پانے کا یہی ایک سبب ہے
دم بھر کیا رکے وقت نے رفتار بڑھا دی

☆☆☆

جس شخص کا شیشے کا بنا گھر نہیں ہوتا
پتھر بھی برسنے کا اسے ڈر نہیں ہوتا
اے میر شہر تو بھی سرعام کہے گا
بس میں کبھی امراء کے قلندر نہیں ہوتا
اس شب کے اندھیرے میں چھپا ہے مرا مونس
ورنہ یوں چمکتا ہوا خنجر نہیں ہوتا
اس ایک حقیقت کو رضاؔ کیجئے تسلیم
ہر سنگ چمکتا ہوا مرمر نہیں ہوتا

قطعات

ابھی بھی وقت ہے ناداں یہ نادانی نہیں اچھی
یہ ہٹ دھرمی نہیں اچھی یہ من مانی نہیں اچھی
پلٹ کر دیکھ بھی ماضی ذرا تاریخ بھی پڑھ لے
رعایا کو رلائے جو وہ سلطانی نہیں اچھی

☆

دورِ رواں یہ ایک تماشہ خوب ہوا ہے اُف توبہ
سچائی کا جھوٹا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے اُف توبہ
جانے کیا کیا وقت دکھائے جانے کیا کیا دیکھیں ہم
جھوٹے نے جھوٹوں کے سر پر ہاتھ رکھا ہے اف توبہ

☆

غلط مسئلہ اٹھایا جارہا ہے
غلط قصہ سنایا جارہا ہے
غلط تصویر ماضی کی دکھا کر
حقیقت کو چھپایا جارہا ہے

☆

یہ کیا کہ آج سچ کو چھپانے پہ تم تلے
فتنہ وہی قدیم اٹھانے پہ تم تلے
جس نام کے طفیل ہی جانا گیا تمھیں
اس نام ہی کو آج مٹانے پہ تم تلے

☆

ہم کیا تھے کیا نہیں یہ بتائیں انھیں چلو
تاریخ کے صفحات پڑھائیں انھیں چلو
ان جلتی لکڑیوں سے اٹھے گا دھواں ابھی
حکمت و حوصلے سے بجھائیں انھیں چلو

☆

پرچم صداقتوں کا یہ نہ اٹھا سکیں گے
یہ سچ کے راستے پر خود کو نہ لاسکیں گے
جن کا رہا ہے شیوہ کارِ غلط ہی پیہم
کارِ غلط پہ قدغن یہ کیا لگا سکیں گے

وقارِ عدلیہ مجروح کیوں ہے
بتاؤ منصفی بے روح کیوں ہے
صداقت پوچھتی ہے آج ہم سے
منافق ہر طرف مفتوح کیوں ہے

☆

احساس محبت کا دلانا ہے ضروری
یکجہتی کے آداب سکھانا ہے ضروری
جو سنگ گراں امن کی راہوں میں پڑے ہیں
وہ سنگِ گراں آج ہٹانا ہے ضروری

☆

رنگ افکار کے چھا جائیں گے انشاء اللہ
سرخرو ہو کے ہمیں آئیں گے انشاء اللہ
ایک تاریخ رقم ہم ہی کریں گے بے شک
عزم کامل ہے فتح پائیں گے انشاء اللہ

☆

پرانی اک کہاوت ہے سنا دیں ہم یہاں صاحب
اگرچہ آپ رکھتے ہیں بڑا عزم جواں صاحب
کوئی اپنی حکومت کو نہ سمجھے مستقل ہرگز
سیاست کو بدلتے دیر لگتی ہے کہاں صاحب

دروازہ تباہی کا کیا وقت نے کھولا ہے
قائد کو نہ جانچا ہے پرکھا ہے نہ تولا ہے
تخریب ہے سازش ہے دہشت ہے تباہی بھی
کیا کچھ نہیں ہے اس میں کافی بڑا جھولا ہے

☆

قدآوری کے چرچے کرنے لگے ہیں بونے
حاصل کچھ ایسے حربے کرنے لگے ہیں بونے
قدآوروں کو ہم نے سو بار ہے پچھاڑا
خود عام ایسے قصے کرنے لگے ہیں بونے

☆

چین ہم پائیں گے نہیں ممکن
وہ ترس کھائیں گے نہیں ممکن
اچھے دن تو کبھی نہیں آئے
اور آجائیں گے نہیں ممکن

☆

جو کام ناروا ہے وہ کام کررہا ہے
کیا جانئے کہ کیا کیا جھولے میں بھر رہا ہے
وہ شخص جو ہمیشہ سچ کا رہا ہے دشمن
ہاں اب وہی منافق قسطوں میں مر رہا ہے

☆

چالاکیوں سے اپنی دامن وہ بھر رہا ہے
دانستہ پستیوں میں ہر دن اتر رہا ہے
قینچی انانیت کی ہاتھوں میں آگئی اب
بے خوف ہو کے سب کے وہ پر کتر رہا ہے

☆

نہ غنچے کھلے نہ کوئی گل کھلا ہے
ملا سو خزاؤں کا منظر ملا ہے
خدایا چمن کو تحفظ عطا کر
چمن ہی جلانے پہ مالی تلا ہے

شعلہ بھی اُس کے پاس شرارہ بھی اُس کے پاس
منظر بھی اُس کے پاس نظارہ بھی اُس کے پاس
کیوں کالے رنگ سے وہ پریشاں ہے آج کل
بھانامتی کا جبکہ پٹارہ بھی اُس کے پاس

☆

محور پہ کسی روز پلٹ آئے زمانہ
نہ دورِ رواں پر کہیں پچھتائے زمانہ
اک آہ کریں ہم تو زمیں کانپ اٹھے گی
پُرعزم اٹھیں ہم تو دہل جائے زمانہ

☆

تجھے میرے منصف بتائیں تو کیسے
صداقت کا شیشہ دکھائیں تو کیسے
مثالی ہے حضرت عمرؓ کی عدالت
تجھے یادِ ماضی دلائیں تو کیسے

☆

سب مدارس درسگاہیں ملکِ ہندوستان کی
دے رہی تعلیم سب کو دین کی ایمان کی
ہم اگر انسان ہیں تو یہ حقیقت جان لیں
مدرسوں نے آدمی کو شکل دی انسان کی

☆

مذہب اک ہتھیار ہوا ہے
دو دھاری تلوار ہوا ہے
بستی بستی آگ لگانا
سستا کاروبار ہوا ہے

☆

چھوٹی سی ایک بات پہ بل کھا رہے جناب
آخر ہے کیا وجہ کہ گھبرا رہے جناب
کرتے جو آپ بڑھ کے وضاحت تو بات تھی
یہ بھی ہے کوئی بات کہ جھلا رہے جناب

وہ خوشنما سا منظر اب ڈھونڈتے رہے ہم
اردو ادب کا زیور اب ڈھونڈتے رہے ہیں ہم
نفرت کی آگ پہنچی سب رنگ کے مکاں تک
شائستگی کا وہ گھر اب ڈھونڈتے رہے ہیں ہم

☆

بدروش سب کے لئے بن کر مصیبت آئے گی
بے امانی کی سیاہ چادر سروں پر چھائے گی
آج ہے توقیر بھی تعظیم بھی لاریب پر
الٹی گنتی جانے کب کس کی شروع ہوجائے گی

☆

وا پت جھڑوں کا یارو دروازہ ہوگیا ہے
جو زخم بھر رہا تھا وہ تازہ ہوگیا ہے
صحنِ چمن سے شاید اب نہ بہار گزرے
ویرانی چمن سے اندازہ ہوگیا ہے

☆

یہ دور ہی کٹھن ہے ہم سب کو سوچنے کا
باطل کی سازشوں کو بروقت روکنے کا
یہ شور یہ شرابہ کیوں ہے وطن میں اپنے
اب وقت آگیا ہے قائد کو ٹوکنے کا

☆

اگر اخلاص رکھتے ہو بھلا سا کام کر جاؤ
وطن کا ساری دنیا میں نمایاں نام کر جاؤ
یوں قتل وخون سے غارتگری سے کچھ نہیں حاصل
وطن کا واسطہ اس کو نہ یوں بدنام کر جاؤ

☆

یہ دنیا توازن جو کھونے لگی ہے
سو اب آدمیت بھی رونے لگی ہے
جو شور و شرابے کے حامی ہیں ان کو
اذانوں سے تکلیف ہونے لگی ہے

☆

لنکا کا حال دیکھ کے کیسا لگا تجھے
ہاں ہاں ذرا بتا دے جیسا لگا تجھے
لنکا کی لنکا جلتی ہوئی تو نے دیکھ لی
بتلا کچھ اپنے دیس میں ایسا لگا تجھے

☆

پوجا بھی انوکھی ہے بھکتی بھی نرالی ہے
ہر شخص نے ہاتھوں میں شمشیر سنبھالی ہے
ڈر خوف کا قبضہ ہے تہوار کی خوشیوں پر
اب عید ہے خطرے میں خطرے میں دِوالی ہے

☆

عقل وفہم کی شمعیں یوں ہی جلائے رکھنا
اپنی نظر کے پہرے ہرسو بٹھائے رکھنا
اس کیوڑے کے بن میں سونا گ رینگتے ہیں
لازم یہی ہے ان سے خود کو بچائے رکھنا

☆

صدائے خلق شاہوں نے سنی تاریخ شاہد ہے
انھیں توقیر بھی حاصل رہی تاریخ شاہد ہے
تکبر وانا سے پاک اعلیٰ لوگ گزرے ہیں
رواداری کے قائل تھے سبھی تاریخ شاہد ہے

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

تثلیثات

جو نہ کرنا تھا کر گئے ہم بھی
زندہ رہنا ہے اس لئے لوگو
وقت سے پہلے مر گئے ہم بھی

☆

پھول شبنم قمر ستارے کیا
جب ہمیں بجھ گئے تو پھر صاحب
چاندنی شب کہ یہ نظارے کیا

☆

آ بھی جا کہ تجھے سنانی ہے
جس کو عنواں نہ دے سکا کوئی
زندگی میری وہ کہانی ہے

☆

کون آنکھیں ملائے گا مجھ سے
چبھتا سورج ہوں دوپہر کا میں
تو بھی آنکھیں چرائے گا مجھ سے

☆

آ بھی جائے اگر کنارے پر
سوچتا ہوں کہ لوٹ جائے گی
کب رکی ہے لہر کنارے پر

☆

چند قطرے لہو کے ٹپکا لوں
ہاتھ کانٹوں میں اپنے الجھا کر
اک مہکتا گلاب تو پالوں

☆

وقت کی آگ میں وہ جلتا ہے
عیش جی بھر کے کر لئے جس نے
آج تپتی زمیں پہ چلتا ہے

☆

شاخ سے ٹوٹ کر حسیں غنچے
اس حقیقت کو کون جھٹلائے
مسکراتے کبھی نہیں غنچے

افسانہ رضا جالنوی

گلاب کھل اٹھے

فراز و روحی کی شادی کو ابھی تین ماہ ہی گذرے تھے کہ فاصلوں کے مہیب سائے سرسرانے لگے۔ ابھی فرح کے ہاتھوں پہ مہندی کا رنگ چڑھا ہوا ہی تھا کہ محبت کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔ شاید یہ ہم مزاجی کا فقدان تھا، ضد تھی یا پھر انا۔ ویسے وہ دونوں ہی انا کے دائروں میں محصور تھے۔ زندگی تو آب بے رنگ ہے۔ حالات، معاملات، تعلقات، چاہت، نفرت کے ہمہ رنگ اس میں تحلیل ہوکر اس کی شفافیت کو کم یا ختم کر دیتے ہیں اور انا _ انا تو انسانی پیکر کا زنگ ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ سے جلا ہوا لوہے کا برادہ لوہے کو کھا جاتا ہے اور انا کی آگ میں جل کر انانیت کا برادہ شخصیت کو کھانے لگتا ہے۔ ہاں تو دونوں ہی انا کے دائروں میں محصور تھے۔ دونوں کے درمیان جو اختلاف سر اٹھانے لگے تھے اس کی بنیاد صرف اور صرف خودسری تھی۔ فراز اور روحی نے ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہا۔ پھر یہ کیا کہ اچانک بدگمانیوں کے خشک جھونکوں نے اس خوشگوار ماحول کو خشک کر دیا۔ رات رینگتے ہوئے سحر کی دہلیز تک پہنچنے کو ہے۔ کمرے میں ایک خاموشی، مسلسل خاموشی، پھر خاموشی ٹوٹتی ہے۔ ایک آواز کمرہ میں ابھرتی ہے۔ فراز کے کانوں سے ٹکراتی ہے۔ روحی نے کہا :

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ مجھے ابھی اپنے گھر جانا ہے۔'' روحی کہہ کر خاموش ہوگئی۔

فراز نے ایک جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا :

''یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔''

روحی کچھ دیر کے لئے خاموش رہی، پھر کہا :

''ہاں! اسے آخری ہی سمجھ لیجئے۔''

فراز نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا :

''ٹھیک ہے میں ابھی تمہاری ٹکٹ بک کروا دیتا ہوں۔''

فراز نے اپنا فون اٹھایا اور آن لائن بکنگ کر ڈالی اور بہ انداز حاکمانہ کہا :

''محترمہ! جن شتابدی کی ٹکٹ ملی ہے جو اورنگ آباد سے صبح چھ بجے روانہ ہوتی ہے۔''

مسلسل خاموشی اور دونوں ہی منہ پھرائے لیٹے رہے۔ موسموں کی طرح ماحول بدل جاتا ہے۔ بہار کی رخصتی اور خزاں کی آمد میں تاخیر کیسی۔

ایئر کنڈیشنر کمرہ کے سرد ماحول میں بھی دونوں گھٹن محسوس کر رہے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں پانچ اور بارہ کے ہندسوں پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ روحی نے اپنے دو سوٹ کیس پوری طرح بند کئے لیکن کمرہ میں مکمل خاموشی۔ اس نے اپنا فون اپنے پرس میں رکھا۔ اُدھر فراز تیار ہوکر گھر سے باہر ٹیکسی رکوانے سڑک کے کنارے خیالوں میں گم، انا کے دائرے میں محصور روحی اپنے دونوں سوٹ کیس لئے سڑک تک پہنچی ہی تھی کہ فراز نے ایک ٹیکسی رکوادی۔ بڑھ کر پچھلا دروازہ کھولا اور سوٹ کیس کار میں رکھے اور خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہی اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے، لیکن انا کے زیر اثر اسٹیشن پہنچے۔ سوٹ کیس اتارے گئے۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لئے دونوں ہی آگے بڑھے۔ کرایہ فراز نے ادا کیا۔ فراز نے سوٹ کیس اٹھانے چاہے لیکن روحی نے سوٹ کیس پر اپنی گرفت اور مضبوط کر لی۔ پلیٹ فارم تک پہنچتے پہنچتے دونوں خاموش تھے۔ ایک دوسرے پر جان

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

چھڑ کنے والے دو پیکروں کے درمیان جیسے اجنبیت کی کوئی دیوار حائل ہو۔ ٹرین ایک دھکے کے ساتھ آ کر کھڑی ہوگئی اور اس دھکے کے ساتھ ہی دونوں نے دھڑ کتے دل کا ایک دھکا محسوس کیا۔ فراز ٹرین کے باہر کھڑا رہا۔ ٹرین رینگنے لگی۔ نہ فراز نے ہاتھ لہرایا اور نہ روحی نے نظر ملائی۔ دونوں ہی انا کے دائروں میں محصور، ٹرین آہستہ آہستہ رفتار بڑھانے لگی اور روحی نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے دھڑ کنوں کی رفتار تھمنے لگی۔ کچھ دیر آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ ضمیر بے چین کئے جا رہا تھا۔ سکون چھین رہا تھا۔ ذہنی الجھن بڑھنے لگی اور روحی نے پرس سے فون نکالا، فون آن کیا اور میوزک سسٹم میں پہنچ گئی۔ ساحرلدھیانوی کے تحریر کردہ نغمے کے بول اس کی سماعت سے ٹکرائے۔

بجھا دیئے ہیں خود اپنے ہاتھوں محبتوں کے دیے جلا کے
میری وفائیں اجاڑ دی ہیں امید کی بستیاں بسا کے

اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ انسان دنیا کی آواز لوٹا سکتا ہے لیکن اسے اپنے ضمیر کی آواز تو ہر حال سننی ہی پڑتی ہے۔ اب انا کی اینٹوں سے تعمیر کردہ عمارت کی بنیاد ہلنے لگی۔ اسے گذرے ہوئے تین ماہ کی خوشگواریاں یاد آنے لگیں۔ ٹرین اپنی رفتار سے نئے مناظر کو ماضی کی طرح پچھلی جانب ڈھکیلتی چلی جا رہی ہے اور روحی کے کانوں میں اس گیت کے الفاظ پگھلے سیسے کی طرح اترنے لگے۔ اسے وہ فراز کا خلوص، اس کی محبت اور جاں نثاری یاد آنے لگی۔

تجھے بھلا دیں گے اپنے دل سے یہ فیصلہ تو کیا ہے لیکن
نہ دل کو معلوم ہے نہ ہم کو جئیں گے کیسے تجھے بھلا کے

روحی نے بہت کوشش کی لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ پائی۔ آنکھوں سے دو ستارے اترے اور اس کے دامن میں چھپ گئے۔ شاید اُسے اب اُس کی انا رُلا رہی تھی۔ نغمہ بجتا رہا۔ وہ سنتی رہی وہ بے چینی اور بے کلی کے عالم میں اپنے غلط فیصلے کا اعتراف کر رہی تھی۔ وہ رونما ہونے والے نئے حالات سے نہ صرف خائف تھی بلکہ اپنے مستقبل کی تاریکی بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے سسکتے ہوئے رشتے کے اثرات محسوس کر رہی تھی۔ اس کیفیت میں نغمے کے روح سوز الفاظ اس کے ذہن پر بجلی بن کر گر رہے تھے۔

کبھی ملیں گے جو راستے میں تو منہ پھرا کر پلٹ پڑیں گے
کہیں سنیں گے جو نام میرا تو چپ رہیں گے نظر جھکا کے

ابھی بھی اس کی آنکھوں کے آگے وہی منظر چھایا ہوا تھا کہ فراز ٹرین تک چھوڑنے ضرور آیا لیکن اجنبی کی طرح کھڑا رہا۔ نہ ہاتھ لہرایا اور نہ ہی خدا حافظ کہا۔ آخر صبر و تحمل کا باندھ ٹوٹ گیا اور وہ بے ساختگی سے رونے لگی۔ اس نے اپنا چہرہ دوپٹے میں چھپائے رکھا۔ اسے اس کا ظرف اور ضمیر جھنجھوڑ رہے تھے۔ شاید وہ اپنے کئے پر شرمسار تھی اور خود کو مجرم سمجھ رہی تھی، انا کا دائرہ ٹوٹتا جا رہا تھا، ٹرین کی رفتار میں کمی آئی اور وہ چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ مسافر کی منزل قریب ہے۔ لیکن روحی خود اپنی منزل سے دور ہوتی محسوس کر رہی تھی۔ آخر یہ نغمے کا آخری شعر اثر کر گیا۔

نہ سوچنے پر بھی سوچتی ہوں کہ زندگانی میں کیا رہے گا
تیری تمنا کو دفن کر کے تیرے خیالوں سے دور جا کے

ٹرین کے کمپارٹمنٹ کے اسپیکر سے ایک آواز گونجی:

''اگلا اسٹیشن دادر ہے۔''

روحی نے اپنے آنسو پونچھے، الجھے ہوئے بال درست کئے، اپنا فون بند کیا، پرس میں رکھا اور اضطرابی کیفیت میں اپنے سوٹ کیس اور سامان لئے ٹرین کے رکنے کا انتظار کرنے لگی۔ انا کا دائرہ پوری طرح ٹوٹ چکا تھا۔ وہ سوچنے لگی، مجھے اب دوسری ٹرین سے اورنگ آباد لوٹنا ہوگا، اپنے گھر پہنچنا ہوگا، آخری جھٹکے کے ساتھ ٹرین پلیٹ فارم پر رکی، مسافر اترنے لگے۔

روحی اپنے دونوں سوٹ کیس لئے اترنے لگی کہ دو ہاتھ آگے بڑھے اور سوٹ کیس لے لئے۔ فراز نے سوٹ کیس نیچے رکھتے ہوئے روحی کا ہاتھ تھام کر کہا:

''چلو اپنے گھر چلیں۔ میں نے اسی ٹرین کے دوسرے کمپارٹمنٹ میں سفر کیا اور راستہ بھر محسوس کرتا رہا کہ انا ہی شخصیت کو کھا جانے والا زنگ ہے۔''

☆☆☆

افسانچے

اعتراف

اُس نے اپنا برقی میٹر بند کرتے ہوئے کہا:

''بیٹا چوری تو چوری ہوتی ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ تم نے جو کل اسکول میں راجو کے کمپاس بکس سے پنسل، ربر چرائے تھے اُسے آج سوری کہہ کر لوٹا دینا۔''

نقش پیکر

خوبرو، گورے، چٹے شوہر اور خوبصورت سیم تن بیوی کے گھر ایک سیاہ فام بچہ پیدا ہوا۔ پکڑے جانے کے خوف سے رات کے اندھیرے میں غیر ملکی سیاہ فام کرایہ دار فرار ہو گیا۔

گڑیا

وہ اپنی بیوی اور دو سالہ بچی کے ساتھ کھلونوں کی دکان میں داخل ہوا۔ خوبصورت چست لباس زیب تن کی ہوئی خوبصورت سیلز گرلز کھلونے دکھانے لگی۔ شوہر نامدار کی نظریں سیلز گرلز پر اور اس کے چست لباس پر مرکوز تھیں۔ بیوی نے شوہر سے کہا: ''گڑیا پسند آ گئی؟''

☆☆☆

شاعری (منتخب ماہیے)

شاہ حسین نہری (اورنگ آباد)
موبائل : 9225303313

(ڈاکٹر یوسف صابؔر کی نذر)

یہ ''عکس ادب'' یوسف!
خوب رسالہ ہے
تم اِس میں نصب یوسف

☆

فرقت کے یہ ہمسائے
شام ڈھلے چپکے
جانا تھا چلے آئے

☆

جینا جیتے رہنا
مشکل رستہ ہے
کیا کیا کچھ ہے سہنا

☆☆☆

ڈاکٹر یوسف صابؔر (اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

رہنے دے مرے ساقی
جام نہ بھر میرا
ارمان نہیں باقی

☆

پینے دے پلانے دے
دیکھ مری جانب
آنکھیں تو ملانے دے

☆

ارمان ہے پینے کا
دیکھ نظر بھر کے
احساس ہو جینے کا

☆

ہیں ہونٹ تیرے پیالے
زلفیں گھٹائیں تو
دو نین ہیں متوالے

☆☆☆

نذیر فتح پوری
موبائل : 9822516338

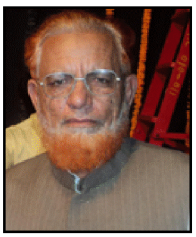

مت شاخ شجر کاٹو
آسرا کھودے گا
پنچھی کا نہ پر کاٹو

☆

ہر راہ گزر تنہا
اس پہ ستم دیکھو
سانسوں کا سفر تنہا

☆

موسم کی ادا لے جا
کام یہ آئے گی
کچھ تازہ ہوا لے جا

☆

ہر نقش مٹا دے گی
آگ یہ جنگل کی
شہروں کو جلا دے گی

☆☆☆

شفیع احمد شفیع (پربھنی)
موبائل : 7972462122

دلبر کی تمنا ہے
جام بکف رہنا
پینا نہ بہکنا ہے

☆

جادو ہے ترنم میں
مست ہوا میں جو
خوشبو ہے ترنم میں

☆

انمول صحیفوں سے
فیض رہے جاری
تحریر ضعیفوں سے

☆

اخبار بتائے گا
چور بنا منصف
کردار بتائے گا

☆

طاہر حسین طاہؔر (ناندیڑ)
موبائل : 8087570387

حالات کے گھیروں میں
ابن سکندر بھی
شامل ہے فقیروں میں

☆

پہچان بھلا دیں گے
صاف نہیں دل کے
احسان بھلا دیں گے

☆

راتوں کو جگاتی ہے
یاد تیری مجھ کو
رہ رہ کے رُلاتی ہے

☆

رشتے کو چلن دے گا
چور پڑوسی ہے
دیوار بھی نوچے گا

☆

طٰہٰ صدیقی (پربھنی)
موبائل : 9420889011

ایک یاد سہانی ہے
چوما تھا ماں نے جو
ماتھے پہ نشانی ہے

☆

اک گل ہے نہ ڈالی ہے
کیسا ہے یہ گلشن
اور کیسا یہ مالی ہے

☆☆☆

شاعری (غزلیات شعرائے پربھنی مع تعارف)

امام الدین یقینؔ

امام الدین نام اور یقینؔ تخلص ، ان کے والد کا نام محمد زین الدین تھا۔ ۹؍جولائی ۱۹۱۱ء کو پربھنی میں پیدا ہوئے۔ یہاں کے ملٹی پرپز ہائی اسکول میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور نوتن ودیا مندر آسمان گنج پربھنی میں مدرس ہوگئے۔ جب مدرس کے لئے منشی فاضل کا امتحان کامیاب ہونا لازمی قرار دیا گیا تو یقینؔ نے لاہور سے منشی فاضل کا امتحان کامیاب کیا وہ تقریباً ایک سال لاہور میں مقیم رہے۔ یقینؔ ایک متوسط خاندان سے تھے۔ موصوف کا کلام نہایت صاف ستھرا اور دلوں کو متاثر کرنے والا ہے۔ امام الدین یقین کی حیات، فن اور شخصیت پر ایک یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی تحریر ہو چکا ہے جسے عنقریب کتابی شکل میں شائع کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ کتاب جلد ہی منظر عام پر آنے کی توقع ہے۔ اس کتاب کی اردو ادب میں دستاویزی حیثیت تسلیم کی جائے گی۔

●

یاد پھر اب تیرے پیمان کرم آتے ہیں
غم کو سمجھانے کو کچھ اور بھی غم آتے ہیں

وہ ہمارے لئے بادیدۂ نم آتے ہیں
مرحلے ایسے رہِ عشق میں کم آتے ہیں

زُلف کے سائے میں عارض کا دہکتا سورج
کیا قیامت ہے کہ دن رات بہم آتے ہیں

☆☆☆

سہیل احمد سہیلؔ

نام سید سہیل احمد رضوی، سہیل تخلص، ۲۸؍جنوری ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے ان کے والد کا نام سید معین الدین رضوی تھا۔ آپ معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ موصوف پربھنی کے معتبر اور کہنہ مشق شعراء میں شمار کئے جاتے تھے۔ سہیلؔ کی غزلوں میں سلاست و روانی اور شگفتگی و شائستگی ملتی ہے۔

●

تیر جیسے کمان سے نکلا
یوں وہ جلتے مکان سے نکلا

بن گیا اک لکیر پتھر کی
لفظ جو بھی زبان سے نکلا

میں نے برسوں اسے تراشا ہے
تب کہیں وہ چٹان سے نکلا

اس قدر تیز دھوپ میں وہ شخص
جانے کیوں سائبان سے نکلا

کرسکا کب فضا کو عنبر بیز
جو دھواں ساگوان سے نکلا

سب خفا ہیں کہ شہر میں وہ کیوں
بے نیازانہ شان سے نکلا

دوست ہو یا سہیلؔ دشمن ہو
کوئی کب میرے دھیان سے نکلا

☆☆☆

عرفانؔ پربھنوی

محمد عثمان خان (عرفان پربھنوی) کا تعلق ضلع پربھنی کے ایک معزز علم پرور گھرانے سے تھا۔ ان کے والد غلام یٰسین خان کلکٹر آفس میں جمعدار تھے۔ وہ درگاہ حضرت تراب الحقؒ کے تقریباً ۲۰ سال تک متولی رہے، انتظامات عرس شریف کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ محمد تقی عثمان خان ۱۴؍اکتوبر ۱۹۲۶ء میں پربھنی میں پیدا ہوئے موصوف نے عثمانیہ سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی بعد میں دائرہ ملازمت میں داخل ہوئے ادبی دنیا میں عرفانؔ پربھنوی کہلائے۔

●

در ہی کھلتا ہے کوئی اور نہ دریچہ کوئی
ایسا لگتا ہے نہیں شہر میں اپنا کوئی

اُس کو سورج کے نکلنے کا ہوا حساس ہی کیا
جس کے آنگن میں نہ ہو دھوپ کا پردہ کوئی

آپ کو چوٹ لگے اور مجھے درد نہ ہو
کیا میرا آپ کے دل سے نہیں رشتہ کوئی

زندگی ایسی ہے ، دریا کے کنارے جیسے
ریت پر اُنگلی سے کھینچا ہوا نقشہ کوئی

جو بھی کرنا ہے خود انسان کو کرنا ہوگا
کب اُترتا نہیں دھرتی پہ فرشتہ کوئی

گھر سے نکلو تو دعا مانگ کے نکلو، ورنہ
لوٹ آنے کا نہیں اپنے بھروسہ کوئی

زخم روشن ہو تو آجائے نظر وہ چہرہ
غم کی دہلیز پہ عرفانؔ ہے ٹھہرا کوئی

☆☆☆

شاعری

توشیحی نظم

بنام رضا جالنوی

﴿شاعر ڈاکٹر یوسف صابرؔ﴾

ر — راضی ہیں رضؔا خوش ہیں یہ اپنی حیات سے
ہے عشق انھیں ساری شعری کائنات سے

ض — ضوباریوں ہوئے ہیں ذہن ان کی نعت سے
جیسے ستارے جگمگا رہے ہیں رات سے

ا — اخبار میں وہ روز ہی صنفِ قطعات سے
تاریخ کررہے ہیں رقم اپنے ہاتھ سے

ج — جیسی قمر کی روشنی میں ہے بڑی کشش
رغبت ہے اُن کو ویسی فن تثلیثات سے

ا — اللہ اُن کی عمر کو یونہی کرے دراز
سو سال کو بھی پار یہ کرلیں حیات سے

ل — لہجے سے شہد آنکھوں سے اپنائیت کا رس
اور پیار ٹپکتا ہے بڑا ان کی بات سے

ن — نیکی کی راہ پر رہے ہیں گامزن رضؔا
صابرؔ تو گنہگار ہے اپنی صفات سے

و — ویسے ہے غزل میں بھی مہارت انھیں مگر
مقبول بہت ہوگئے ہیں یہ قطعات سے

ی — یہ بھی فراغ دل ہیں اور ہے ان کا کھلا ہاتھ
بڑھ کر یہ خرچ کرتے ہیں اپنی بساط سے

☆☆☆

(قطعات)

ٹماٹر نامہ

(طنز ومزاح)

تمیز احمد پرواز (ناندیڑ)
موبائل : 9423657008

حیران ہوں میں سن کے ٹماٹر نے جو کہا
سن لو دلیل آپ بھی نادان کی میاں
پہلے چکل کے چٹنی بناتا تھا یہ مری
چٹنی بنا رہا ہوں میں انسان کی میاں

☆

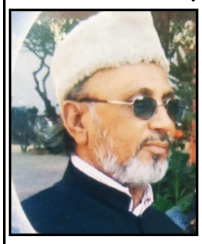

پہنچا غریب منڈی میں ہر روز کی طرح
دیکھا ٹماٹروں کو تو بے حال ہوگیا
مہنگے ہیں اور اس پہ ہرے رنگ کا غضب
سن کر ہی دام غصے میں وہ لال ہوگیا

☆

نوشہ کے باپ نے کہا سمدھی سے جوش میں
بس دعوتِ نکاح برابر کی چاہیے
اب تو چکن مٹن ہیں غریبوں کا آسرا
بریانی ہم کو صرف ٹماٹر کی چاہیے

☆☆☆

ایک نظم

(قصیدہ)

(بتقریب سبکدوشی پروفیسر قاضی حبیب احمد
صدر شعبہء اردو فارسی وعربی مدراس یونیورسٹی)

علیم صبا نویدی (چنئی)
موبائل : 9840361399

تم نے کتنوں کو کیا ہے سرفرازِ آگہی
تم نے اپنی ذات کی بخشی ہے ہر پل روشنی
آفریں صد آفریں اے مہرباں قاضی حبیب
تم نے قطرے کو بھی گہرا اک سمندر کر دیا
بے ادب کو بھی ادب کا نیک جوہر کر دیا
آفریں صد آفریں اے مہرباں قاضی حبیب
آسمانی اک جھلک ہو تم سدا صد مرحبا
تم نے بخشی کتنے چہروں کو ضیا صد مرحبا
آفریں صد آفریں اے مہرباں قاضی حبیب
کتنے اجڑے باغ بھی سرسبز تم نے کر دئے
اور خلوص و مہر کی خوشبو سے دامن بھر دئے
آفریں صد آفریں اے مہرباں قاضی حبیب
تم چراغ نور بن کر آئے اپنی بزم میں
فکر کا پرچم بھی تم لہرائے اپنی بزم میں
آفریں صد آفریں اے مہرباں قاضی حبیب
تم سے جنت بن گیا باغ جہان دوستی
اور نویدی کو ملی ہے علم وفن کی روشنی
آفریں صد آفریں اے مہرباں قاضی حبیب

شاعری (غزلیات)

لیاقت علی خان یاسر جالنوی
موبائل : 8856877137

خیال وخواب مجھے میرے رب سے آتے ہیں
مگر یہ سچ ہے کہ تیرے سبب سے آتے ہیں
زمانہ ان کو بٹھاتا ہے اپنی آنکھوں پر
جو پیش سب سے ہمیشہ ادب سے آتے ہیں
تھکا نہیں ہوں مرے حوصلے جواں ہیں ابھی
پیام صبح کے تاریک شب سے آتے ہیں
گناہ گار ہیں ہم سب ، معاف کر مولا
عذاب جو بھی ہیں تیرے غضب سے آتے ہیں
بہت کتابوں کے اوراق تم نے الٹے ہیں
میاں سلیقے تو اکثر نسب سے آتے ہیں
ہزاروں سال سے جو باعث بشاشت ہیں
وہ خوشگوار سے جھونکے عرب سے آتے ہیں
سنبھل سنبھل کے چلو یہ دیارِ یاسرؔ ہے
بڑے بڑے بھی یہاں پر ادب سے آتے ہیں

(سہ قوافی)
شفیع احمد شفیع (پربھنی)
موبائل : 7972462122

روشن ہے وہ جو بتی آنکھوں کی تھالیوں میں
کر لے نہ قید ہستی پلکوں کی جالیوں میں
محفل میں لاکھ کردے زلفوں سے تو اندھیرا
بجلی کرے گی مستی کانوں کی بالیوں میں
قسمت جو ساتھ دے تو ملتی ہے شادمانی
تنہائی ورنہ ڈستی راتوں کی لالیوں میں
اُس کو نہ راس آئی ایواں کی مست خوشبو
شہرت ملی جو سستی شہروں کی نالیوں میں
احساس دوسروں کی تکلیف کا نہ ہوتا
جب عمر اپنی کٹتی پھولوں کی ڈالیوں میں
بغض وحسد سے اُن کا دل پاک ہے تبھی تو
خوشبو سدا مہکتی بچوں کی تالیوں میں
کس میں بھرا کے واعظ کو مارے جوتا
ٹوپی جو سر سے ہٹتی سالوں کی سالیوں میں

خواجہ منیر الدین منیرؔ (ناندیڑ)
موبائل : 9096802243

عجیب سادگی میں ہم کمال کر بیٹھے
وہ بے وفا سے وفا کا سوال کر بیٹھے
لگا کے رکھا تھا اپنے دل وجگر سے جنھیں
دلوں سے وہ بھی ہمیں اب نکال کر بیٹھے
سنا ہے آج وہ احسان مند سب احباب
ہمارے واسطے خنجر نکال کر بیٹھے
اداسی چھائی ہے محفل میں ہر طرف جاناں
یہ ذکر آپ بھی کس کا نکال کر بیٹھے
پڑوسیوں سے صلہ رحمی کا سلوک میاں
امیر شہر سے کیسا سوال کر بیٹھے
لگا کہ دل یہ سدا بے وفا زمانے سے
ہم اپنے آپ کا جینا محال کر بیٹھے
منیرؔ دل ہوا جس کے خیال سے بے کل
دیوانگی میں اُسی کا خیال کر بیٹھے

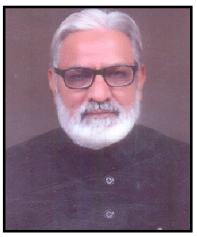

بشارت علی خان اختر جالنوی
موبائل : 8919499980

الٹ پھیر سارا ہے دن رات کا
تماشا نجانے ہے کس بات کا

یہ جو کچھ ہوا اور کیوں کر ہوا
ذرا جائزہ لیجے حالات کا

وہ گرتے ہوئے بھی سنبھلنے لگا
اثر ہم نے دیکھا ہے آیات کا

جوابات دیتا ہوں پر سلسلہ
ابھی بھی ہے جاری سوالات کا

ہے وجدان طاری غزل ہو رہی
لگا اڑنے پنچھی خیالات کا

سنورتی گئی ہے غزل دن بدن
مگر سلسلہ ہے روایات کا

وہ دینے پہ آیا ہوا ہے اٹھو
کہ پچھلا پہر ہے مناجات کا

گلے مل کے مجھ سے وہ کہنے لگا
اشارہ سمجھتے ہو جذبات کا

چلے آؤ اخترؔ دریچے تلے
سہانا ہے موسم ملاقات کا

مقصود اشرف (مالیگاؤں)
موبائل : 9075696548

دفعتاً چشمِ تصور میں ہوئے وہ جلوہ بار
ذہن و دل کا گوشہ گوشہ ہوگیا ہے مشکبار

میرے دل کو توڑنے میں لطف آتا ہے جسے
ہر گھڑی رہتا ہے مجھ کو کیوں اسی کا انتظار

میر سا لہجہ کہیں پر بھی نظر آیا نہیں
یوں تو آئے ہیں سخنور اس جہاں میں بے شمار

مطمئن رہتا نہیں ہوں آج کل اک پل بھی میں
اس قدر پھیلا ہوا ہے میرے اندر انتشار

جگنوؤں کو ہم ہتھیلی پر سجا کر لے گئے
تب اندھیروں نے کیا ہے روشنی کا اعتبار

خونِ دل سے جس شجر کو ہم نے سینچا تھا یہاں
اس کے سائے پر بھی ہم کو اب نہیں ہے اختیار

فکر کے دریا میں غوطہ زن ہوئے مقصودؔ ہم
تب کہیں جا کر ہوا اپنا سخنور میں شمار

☆☆☆

سیفی سرونجی (سرونج۔ایم پی)
موبائل : 9425641777

کتنا وہ کھل اٹھا مرے اشعار دیکھ کر
شاداب اُس کا چہرہ ہے اخبار دیکھ کر

چپ سادھ لی ہے میں نے تو بالکل ہی آج کل
چلنے لگا ہوں وقت کی رفتار دیکھ کر

ہونے کو یوں تو ایک مسلمان ہوں مگر
بچتے ہیں مجھ سے سب مرا کردار دیکھ کر

اک انقلاب سارے زمانے میں آگیا
اہلِ قلم کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

احباب سارے اب تو چرانے لگے نظر
مجھ کو مصیبتوں میں گرفتار دیکھ کر

سر پر نہ آپڑے کہیں چلتے ہیں بچ کے لوگ
سیفیؔ ترے مکان کی دیوار دیکھ کر

☆☆☆

چشتی سلیم بیدردؔ (پربھنی)
موبائل : 9970414056

ہر طرف دار و رسن ہیں یہاں
ہم بھی پہنے ہوئے کفن ہیں یہاں
خواہشوں کے غلام ہیں سب ہی
کون کس کے ٹٹولے من ہیں یہاں
رہنماؤں کی ہے یہ بستی مگر
من تو میلے ہیں اجلے تن ہیں یہاں
قبلہ کہتے تو ہیں مرشد خود کو
ہاں مگر سب مرید زن ہیں یہاں
قید مٹھی میں مرد لوگ یہاں
اور آزاد گلبدن ہیں یہاں
کون نیکی کما رہا بیدردؔ
سب گناہوں میں غوطہ ظن ہیں یہاں

☆☆☆

فہیم خاتون مسرتؔ (ناندیڑ)
موبائل : 77749055558

ہم نہ آئیں گے ہرگز اب ترے بلانے سے
کام اب چل نہیں سکتا کسی بہانے سے
بات ایسی کرتے ہو دل میں چبھتی جاتی ہے
باز اب تو آجاؤ ہم کو تم رلانے سے
ساتھ جو تمہارے ہیں قدر ان کی تم کرنا
دوست چھوٹ جاتے ہیں ان کو آزمانے سے
بات بات پر ایسے روٹھنا نہیں اچھا
باز آئے ہم بھی اب تم کو یوں منانے سے
حسرتوں نے ہی ہم کو خواب سے جگایا ہے
سونہ پائیں گے مسرتؔ اب ترے سلانے سے

مجتبٰی انجم (گیورائی)
موبائل : 7218418460

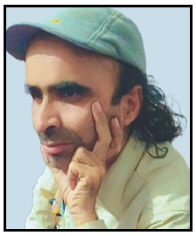

بڑے جوش میں ہے طوفاں، بڑا سخت مرحلہ ہے
نہیں ناخدا پہ تکیہ، مرے پاس تو خدا ہے

مری خامیاں دکھائے مجھے مجھ سے جو ملائے
وہی دوست میرا مخلص وہی میرا آئینہ ہے

یہاں رند تشنہ لب ہیں، ہے نشے میں مست ساقی
نئے دور کا تمہارے یہ عجیب میکدہ ہے

یوں تو جابجا ملیں گے مرے شہر میں مسیحا
نہ کسی کے پاس لیکن مرے درد کی دوا ہے

نظر آئے جو بظاہر محض اک حقیر نقطہ
مگر اپنی ذات میں خود یہ وسیع دائرہ ہے

جو سفر ہے زندگی کا، نہیں انجم کوئی آساں
کڑی آزمائشوں کا یہ طویل سلسلہ ہے

شاعری

نظم

منی پور میں

عبدالواحد جاذبؔ (پربھنی)
موبائل : 8180832274

ظلم کی انتہا ہے منی پور میں
غم کا بادل پھٹا ہے منی پور میں
لوٹ کر آبرو قتل بھی کردیا
پھر بھی قاتل بچا ہے منی پور میں
ظلم کی انتہا ہے منی پور میں
غم کا بادل پھٹا ہے منی پور میں

یہ زمیں رو رہی آسماں رو رہا
آج بھارت کے آنگن میں کیا ہورہا
بچہ بچہ لٹا ہے منی پور میں
ظلم کی انتہا ہے منی پور میں

دیکھ کر ظلم دنیا یہ دنگ ہوگئی
شانتی دیش کی اپنے بھنگ ہوگئی
شرم سے سر جھکا ہے منی پور میں
ظلم کی انتہا ہے منی پور میں

حکمرانِ وطن اب ذرا دیکھ لے
چاک دامن وطن کا ہوا دیکھ لے
امن کا سر کٹا ہے منی پور میں
ظلم کی انتہا ہے منی پور میں

ختم جھگڑے ہوں سکھ چین سب کو ملے
خوش مزاجی کے دن رین سب کو ملے
کرتا جاذبؔ دعا ہے منی پور میں
ظلم کی انتہا ہے منی پور میں

سلام

کوثر پروین کوثرؔ (کلکتہ)
موبائل : 9339784378

امتحاں ان کے لئے حد سے سوا ہوتا ہے
جن کا ہر ایک عمل بہرِ خدا ہوتا ہے
عبد ہوکر بھی جو انسان خدا ہوتا ہے
اس کی بستی میں ہر ایک ظلم روا ہوتا ہے
حوصلہ لاکھ سہی پھر بھی یہ کہتی ہے بہن
آنکھ بھر آتی ہے جب بھائی جدا ہوتا ہے
خود کو جھولے سے گرا کر یہ کہا اصغر نے
دودھ کا قرض کہاں سب سے ادا ہوتا ہے
لاج مسجود کی ساجد نے رکھی سر دے کر
ورنہ مقتل میں کہیں سجدہ ادا ہوتا ہے
غمِ شبیر کا حاصل ہے شرف کوثرؔ کو
سب کی قسمت میں کہاں فضلِ خدا ہوتا ہے

☆☆☆

غزل

عبدالمقتدر صدیقی ذکی جالنوی
موبائل : 9371062367

تذکرہ جب بھی ہوا جب بھی کوئی بات ہوئی
جانے کیوں موردِ الزام مری ذات ہوئی
زیست ایسے بھی کچھ نذر خرافات ہوئی
ہر نفس اپنی مسائل سے ملاقات ہوئی
یہ بلکتے ہوئے بچے یہ سسکتی مائیں
کون اس جنگ میں جیتا ہے کسے مات ہوئی
تیر لفظوں کے چلے لعن و ملامت ہی ملی
سامنا ان سے ہوا جب بھی ملاقات ہوئی
میرے پہلو میں دل زار تڑپتا ہی رہا
آپ کی بزم میں حاصل یہی سوغات ہوئی
مرکز امن و مساوات جسے سمجھے تھے
ہائے اس شہر میں ناقدریٔ جذبات ہوئی
خود کو بھی بھول گئے کچھ نہ ذکیؔ یاد رہا
دن کہاں نکلا کہاں ڈوبا کہاں رات ہوئی

غزل

طٰہٰ صدیقی (پربھنی)
موبائل : 9420889011

ہے جو بوسیدہ عبا کیسے چھپے تن میرا
اب رفو ہو نہیں پائے گا یہ دامن میرا
اتنے حصوں میں اسے بانٹا مرے اپنوں نے
اب تو آنگن بھی نہیں لگتا ہے آنگن میرا
زندگی کونسی منزل ہے بتا یہ تیری
مجھ کو آتا ہے بہت یاد لڑکپن میرا

جب سے مرجھانے لگے ہیں یہ دِلوں کے رشتے
اُجڑا اُجڑا سا لگے مجھ کو یہ گُلشن میرا
جیت کر بھی وہ پشیماں سا لگے ہے کیوں کر
آنکھ مجھ سے نہ ملا پائے ہے دُشمن میرا
لوٹ جاتی ہیں جو دہلیز سے واپس میری
''کیوں بہاروں کو کھٹکتا ہے نشیمن میرا''
وہ جسے یاد بھی میری نہیں آئی اب تک
کتنا بے چین ہے اُس کے لیے یہ من میرا
کیوں میں تشہیر کروں اپنے ہنر کی 'طہٰ'
خود ہی بولے جو زمانے سے اگر فن میرا

خاکہ نگاری (منی خاکہ و خاکچہ)

(منی خاکہ)

ادب کا سخی حاتم طائی

ارشد صدیقی

خاکہ نگار: غلام ثاقب (بیڑ)
موبائل : 9226368493

بے غیرتی کے دور میں غیرت مندار اردو ادب کی خدمت میں خاموشی سے مصروف۔ زندگی کی دھوپ چھاؤں کا صاف صاف رنگ پہچاننے والے ادیب شاعر، تبصرہ نگار اور ادب کے سچی خدمت کرنے والے سخی۔ اردو پر جان و مال اور وقت صرف کرنے میں خوشی محسوس کرنے کی لہک۔ چھوٹی چھوٹی اردو عبارتوں پر ڈھیر ساری خوشی بانٹنے کا ذوق۔ شوگر ہوجانے کے باوجود گلاب جامن، چائے مہمان نوازی میں سارا کا سارا دل اور ارمان نثار کرنے کا مزاج۔ ایک بار ناراض ہوئے تو پورے دو ہفتوں تک خاموش رہ کر خاموش احتجاج کرنے والا وقت کا ہیوگوشاویز۔ لیکن مجال کے شکایت یا غیبت کا کوئی لفظ زبان پر آئے۔ صدیقی خاندان صداقت و ایثار کی نشانی۔ خوبصورت بچپن خوشنما جوانی کے ڈھیروں قصے۔ طلبا و طالبات کے مشفق استاذ۔ غیرت وحمیت کے ساتھ ملازمت کرنے والے ٹیچر۔ لب کھولیں گے تو کسی نہ کسی کا کام بنانا چاہیں گے۔ اپنے تو اپنے دشمن سے بھی محبت استوار۔ چہرے پر غضب کی چمک۔ آنکھوں میں تجربات زندگی کی سرخی، اونچا قد۔ ریشمی سرخ سلیقے سے جمے ہوئے بال۔ چمکیلے شرٹ پینٹ کے شوقین، سفید پلیزر اسکوٹی پر سوار فیملی اور دوستوں کے لئے سرگرداں۔ سائنسی ایجادات سے نئی کائنات تلاشنے کی بجائے اللہ کی آباد کردہ انسانی دنیا میں اسپتال، سڑکیں اچھے تعلیمی ادارے اور خوبصورت گلشن تعمیر کرنے جیسی خواہشوں کے علمبردار۔ امن وسکون، پیار ومحبت، خلوص کی تمنا لئے محو سفر۔ حق گوئی و بیباکی میں ناحق پر روبرو اور کھل کر بولنے والے۔ باطل سے نبرد آزما ہونے کا ولولہ انگیز جذبہ۔ اخبار و رسائل خرید کر پڑھنے کا مخلص کردار۔ نئے لکھنے والوں کے سرپرست، گمنامی کے اندھیروں سے نبرد آزما ستاروں کو تنویر عطا کرنے والے، امن پسند طبیعت لیکن غیرت وعزت پر آنچ آئے تو چہرے پر آثار رعب ظاہر ہوجاتے ہیں۔ چھ چھ اردو ہندی مراٹھی ادبی کتابوں کے مصنف۔ جھوٹ دھوکہ فریب سے نفرت۔ افسانچہ نگاری، غزل و ہزلیات کی خوشبو لئے ہوئے شہر شہر کے اسفار۔ ساتھ رہ کر کسی اور کو ہرگز خرچ نہ کرنے دیں گے۔ سفر دن کے دن میں رات ہمیشہ ذمہ داری کے آشیانے پر ہی بسر کریں گے۔ دونوں بیٹیوں پر جان چھڑکنے والے مشفق والد۔ بیگم کا قدم قدم پر ساتھ نبھانے والے مخلص شوہر۔ بچپن کی دوستی کا حق ادا کرنے والے بےلوث رفیق۔ امت کے درد پر تڑپ اٹھنے والے حساس دل کے مالک۔ اردو کی محفلیں آباد و روشن کرنے والے روشن چراغ۔ قدم قدم اردو اخبارات اور رسائل کی اعانت پر جذبۂ خلوص کے انسان۔ رنگ اجلا، کپڑے اجلے، رنگت میں سرخی غالب۔ اساتذہ کا ادب۔ پریشان حال کی حالت پر خود پریشان ہوجانے والے ہمدرد۔ رشتے داری کا پاس، گناہوں اور بدمعاملہ لوگوں سے اداس۔ اردو ادیبوں کے مسیحا۔ ادب پاروں کے قدردان۔ چھوٹے بچوں کی طرح چھوٹی باتوں پر دل کھول کر خوش ہوجانے والے یہ انسان جن کی گفتگو سادگی سے مامور ہے۔ ''رکا مے باتاں'' تکیہ کلام۔ حساس طبیعت۔ ہر بری عادت سے دور چشم بد دور۔ یہ ہیں ادب کے سچے حاتم طائی۔ جن کا کردار و نسب ہے حقیقی۔ یہ ہیں اردو کے شہسوار ارشد صدیقی۔

☆

(خاکچہ)

گلوں سا مسکراتا چہرہ

سلطان اختر

وہ روتا ہے تو صرف آنکھیں نم ہوتی ہیں دل لرزتا ہے اور ہنستا ہے ساری دنیا ہلنے لگتی ہے۔ پاس کوئی سو رہا ہو تو اسے اٹیک کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ چاند سا چہرا رنگ سنہرا۔ گول مٹول آنکھیں ہلکی سیاہ بھوری۔ صحافت ذوق اردو شوق۔ معلم اور اسکول کی ڈیوٹی۔ اردو ادب سے خاصہ شغف۔ مشاہیر سے دوستانہ مراسم۔ خط و کتابت کا سلسلہ دراز۔ ایک درجن کتابوں کی ترتیب کا تھکا دینے والا مرحلہ طئے کرنے والے پرجوش طبیعت۔ ہر وقت ادبی مساعی میں مصروف پروگرام پر پروگرام۔ اور پھر پروگرام۔ طبیعت میں جولانی۔ پسند ہے کوفتہ، سیخ اور بریانی۔ خوبصورتی کے دلدادہ۔ خوبصورت اشعار ازبر یاد۔ پرمزاح انداز گفتگو۔ حساس ادیب۔ افسانہ نگار ہونے کے ساتھ حقیقت پسندی کا رجحان۔ قرآن و حدیث کی طلب۔ مسکراتی آنکھوں میں سوالات کا ہجوم۔ کھل اور کھل کر ہنسنا فطرت۔ دوستی پر ناز کریں۔ سبھی کو آگے بڑھانے کا مزاج۔ ادبی تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، اپنی جاگتی سوتی آنکھوں میں ہزاروں خواب سجائے، دینی اور دنیوی سسٹم سے نالاں۔ اپنے کام اور مراسم کے دھاگوں کی ڈور ناپنے والا یہ شخص سلطان اختر سولاپوری کے نام سے ادب میں روشن ہے۔ ☆☆

افسانہ نگار (افسانچے)

ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9370992203

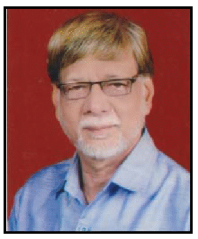

کمائی پوت

وہ اپنے محلے کے ایک شخص کو دیکھ کر اکثر حیران رہ جایا کرتا۔

اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ بے روزگار بیکار آدمی ایک گھنٹے میں دس دس سگریٹ کیسے پی لیتا ہے اور دن بھر پان کھائے منہ لال کر کے آخر کیسے اپنا گھر چلا لیتا ہے۔

اس سے رہا نہ گیا' آخر ایک دن اس نے اپنے ایک قریبی شناسا سے پوچھ ہی لیا تو وہ فوراً بولا۔

''اس میں حیرانی اور پریشانی کی کیا بات ہے بھئی' اس کے لیے کیا مسئلہ ہے کہ اس کی بیوی کمائی پوت جو ہے۔''

☆

محمد علیم اسماعیل (ناندورہ)

کمیشن

''تم مجھے ہیروئن کا رول دلوادو تو میں اپنی فیس کا تیس فیصد حصہ تمھیں کمیشن کے طور پر دوں گی۔''

یہ سن کر ایجنٹ نے معنی خیز نظروں سے اس خوبصورت لڑکی کے ادھ کھلے جسم کو دیکھتے ہوئے کہا' ''اور اس سے پہلے؟''

☆

ارشد صدیقی (بیڑ)
موبائل : 8999434891

دیمک

دیمک زدہ کتابوں کو ہاتھ مت لگانا۔

کیوں .....؟

وہ پھٹ جائیں گی.....!!!!!

☆

ندیم مرزا (بیڑ)
موبائل : 7744014147

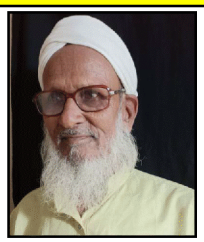

ضعیفی

آنگن میں ایک بوڑھا درخت ہے۔

ساری زندگی شاخوں، پتوں، پھولوں، پھلوں، پرندوں کو اپنا لہو پلاتا رہا۔

اب وہ بوڑھا ہو گیا!

کیڑے، مکوڑے اسے کھا رہے ہیں.....!!!

☆

بے نام مرض

عارفہ خالد شیخ (ممبئی)
موبائل : 8452875777

اپائنمنٹ لینے کے باوجود ایک گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد اُن کا نمبر آیا۔

نامی گرامی ڈاکٹر نے کافی دیر تک زاہدہ بیگم کی رپورٹوں کا معائنہ کیا۔

''انھیں کوئی بیماری نہیں ہے۔ ساری رپورٹیں نارمل ہیں۔!''

ڈاکٹر نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

''لیکن ڈاکٹر صاحب ان کی طبیعت کسی بھی وقت خراب ہو جاتی ہے۔''

عافیہ نے ڈاکٹر سے وجہ جاننی چاہی۔

تب زاہدہ بیگم نے افسردگی سے سوچا۔

اب میں ان سے کیسے کہوں۔

''جوان لڑکی کی فکر کسی رپورٹ میں نہیں آئے گی۔''

☆

ناخلف اولاد

عبداللطیف جوہر
(اورنگ آباد)
موبائل : 9730161224

دس کا نوٹ بوڑھے کو تھماتے ہوئے میں نے اس کی شرمندہ آنکھوں میں تیرتی نمی دیکھ لی تھی۔

کیا تم مسافر ہو؟ ''نہیں''

اچھا تو پھر درویش ہو؟ ''نہیں صاحب''

تو پھر.....؟

میں ایک بے سہارا باپ ہوں۔

☆

سب سے بڑا روپیہ

ڈاکٹر یوسف صابر
(اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

میں ہر طرح سے برباد ہو چکا تھا۔ میرے تمام قریبی رشتہ دار مجھے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ میں بہت اداس رہنے لگا تھا۔ ایک دن اچانک صبح صبح میرے اپنے سبھی لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ سبھی نے معافیاں مانگی اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا۔ میں بہت خوش ہوا۔ دوپہر میں میں نے اپنے مخلص دوست ارشد کو فون پر یہ خوشخبری سنائی۔

میری بات سننے کے بعد اُس نے کہا :

یہ کمال میرا ہے۔ سن تو بھی ان سے کچھ مت کہنا۔ مگر تو نے کیا کیا ہے؟

میں نے کل کے اخبار میں یہ خبر شائع کی ہے کہ تجھے ایک کروڑ کی لاٹری لگ گئی ہے !!!

☆

مضامین (تحقیق وتنقیدی)

صادقہ نواب کی نظم نگاری

بشر نواز (اورنگ آباد)

اردو کی نسائی شاعری کی ابتداء ایک محتاط تحقیق کے مطابق مہ لقا بانو سے مانی جاتی ہے اور سب سے پہلے مغل شہزادی زیب النساء مخفی کا نام کتابوں میں ملتا ہے، جو فارسی میں غزلیں کہا کرتی تھیں۔ ماضی کی خواتین میں جمہ تصدق کی نظمیں ادبی رسائل میں ملتی ہیں۔ علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم کی تلامذہ میں کافی تعداد خواتین کی بھی تھی لیکن وہ سب صنف غزل کی اسیر تھیں۔ بہت کم خواتین نظموں کی جانب مائل ہوئی تھیں۔ وہ بھی پابند نظم۔

بیسویں صدی کی شاعرات میں سب سے زیادہ شہرت پروین شاکر کو ملی۔ ایسی مقبولیت کسی اور شاعرہ کو نہیں ملی۔ پروین کی غزلوں کے متعدد اشعار زبان زدِ عام و خاص ہیں۔ پروین کی معاصرین شاعرات میں ادا جعفری کا نام بھی آتا ہے۔ نظم وغزل پر یکساں قدرت رکھنے والی شاعرہ کو عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ شاعرات کی بھیڑ میں وہ سب سے پہلے نمایاں ہونے والی شاعرہ ہیں۔ پروین کی معاصر نظم نگار شاعرہ سارہ شگفتہ مرحومہ ہیں۔ ان کی نظموں کا مجموعہ ''آنکھیں'' خاصہ مقبول ہوا تھا۔ پنجابی شاعرہ امرتا پریتم سارہ کی نظموں کو بہت پسند کرتی تھیں اور انہوں نے ان نظموں کا پنجابی زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ دوسری نظم نگار خواتین میں رشیدہ عیاں، حمیدہ رحمٰن، رعنا حیدری، شفیق فاطمہ شعریٰ اہم شاعرات ہیں۔ رفیعہ شبنم عابدی، فاطمہ تاج، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، حریر انجم، شائستہ حبیب، عذرا عباس کے نام نمایاں ہیں۔ ہندو پاک اور اردو کی نئی بستیوں کی نظم نگار شاعرات میں عذرا نقوی، سلطانہ مہر، حمید معین رضوی، عذرا پروین، شہناز نبی، شبنم عشائی، ملکہ نسیم، آشا پربھات اور صادقہ نواب سحر ہیں۔

مندرجہ ذیل شاعرات کی نظمیہ شاعری کے بارے میں بہت تفصیل میں نہ جاتے ہوئے میں صادقہ نواب کی نثری نظموں کی بات کروں گا۔

صادقہ نواب سحر موجودہ زندگی کے مطالبات کے پسِ منظر میں اس کے عمل ردعمل کا مطالعہ کرتی ہیں اور جو کچھ دیکھتی اور محسوس کرتی ہیں، اسے لفظی پیکر عطا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کے یہاں شاید طرزِ اظہار سے زیادہ موضوع اہم ہے۔ یہاں صادقہ نواب سحر بڑی حد تک محتاط نظر آتی ہیں۔

وہ جب جب کسی نئے موضوع کو الفاظ میں باندھتی ہیں تو ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے نئے تجربے کو روایت سے وابستہ طرزِ اظہار میں اس طرح ڈھالیں کہ وہ چونکانے سے زیادہ تاثر پیدا کرسکے اور ان کی یہی خوبی انہیں بہت سارے تجربہ پسند لکھنے والوں سے علیحدہ کرتی ہے۔

زیرِ نظر مجموعے میں کئی ایسی نظمیں مل جائیں گی جو اپنے موضوع اور اظہار کی ہم آہنگی کے بل بوتے پر پڑھنے والوں کو چونکائیں گی بھی اور متاثر بھی کریں گی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ ایک سوچنے والی حساس اور پڑھی لکھی خاتون کی نمائندگی کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے گا اور یہی کامیابی اس مجموعے کی اولین شناخت ہوگی۔

ہر اچھا لکھنے والے کی طرح صادقہ نواب سحر بھی اپنے آپ میں منفرد ہیں۔ ان کی مختصر نظمیں خصوصی طور پر متوجہ کرتی ہیں۔ ان میں جو ارتکاز اور اختصار ملتا ہے، وہی نظموں کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

صادقہ جانتی ہیں کہ کس موضوع کے لئے کون سا پیرایۂ اظہار مناسب ہوگا اور کون سی لفظیات حسب حال ہوں گی۔ اس اعتبار سے ہم انہیں ایسی ہوشمند شاعرہ کہہ سکتے ہیں جو لفظ و بیان اور موضوع کے رشتوں سے پوری طرح واقف ہے۔ صادقہ پر لکھنے والے کو کم سے کم اتنا اندازہ تو ہونا ہی چاہیے کہ وہ اپنی بات کو کن الفاظ میں اور کس اسلوب میں بہتر بیان کرسکتے ہیں۔

صادقہ نواب

صداقہ کی بعض نظمیں بڑی اچھی اور compact ہیں۔

صادقہ کے سامنے مسئلہ اصناف کو برتنے سے زیادہ اپنے اظہار کا ہے۔ مجھے افسانے یا غزل، نظم لکھنی چاہئے۔ انہیں اس سے زیادہ یہ سوچ رہتی ہے کہ اس بات یا خیال کا اظہار کس طرح ہوسکتا ہے۔ اس لئے مختلف اصناف و اسلوب آزماتی ہیں۔

ویسے اپنے آپ کی دریافت کرنے کا یہ عمل بھی ایک اسلوب کو جنم دیتا ہے۔ صرف الفاظ کی تکرار کا نام اسلوب نہیں ہے۔ اسلوب محض لفظوں سے نہیں بنتا۔ سچا اسلوب فنکار کو محدود نہیں کرتا بلکہ یہ تمام ذہنی وسعتوں کا احاطہ کرنے کا نام ہے۔ کچھ دوستوں نے پچاس ساٹھ الفاظ میں اپنے آپ کو محدود کرکے رکھ لیا ہے۔

اسلوب شخصیت کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ ہر اسلوب کے پیچھے صاحب اسلوب کی شخصیت کارفرما رہتی ہے۔ جہاں بات بدلتی ہے، یہ اسلوب بھی بدل جاتا ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

(چاہے کوئی کپڑا پہنو، میں تمہیں قد سے پہچانتا ہوں۔ یعنی الفاظ جو بھی ہوں، میں تمہیں تمہارے Attitude سے پہچانتا ہوں، ورنہ پہچان مشکل ہو جائے گی۔)

(پیش لفظ 'ست رنگی' صادقہ نواب سحر۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۲۰۱۸ء)

☆☆☆

ڈاکٹر سید شجاعت علی کے رثائی مضامین

ڈاکٹر علی بیات (ایران)

ڈاکٹر سید شجاعت علی

☆تعارف

''ڈاکٹر علی بیات تہران یونیورسٹی، ایران شعبہ اُردو کے سابقہ صدر ہیں۔ اسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر علی بیات کی زیادہ تر کتابیں فارسی اور انگریزی میں ہیں۔ بین الاقوامی شہرت کے حامل ڈاکٹر علی بیان نے اردو کی نئی بستیوں میں اپنے تحقیقی مقالے پیش کئے ہیں۔ اردو کے مستقبل کے حوالے سے ''جنگ'' کراچی پاکستان میں ان کا طویل انٹرویو شائع ہوا ہے۔ دہلی کے این سی پی یو ایل کے بین الاقوامی سیمینار میں انہوں نے ایران کی نمائندگی کا حق ادا کیا تھا۔ ڈاکٹر سید شجاعت علی کے رثائی مضامین کا آپ فارسی میں ترجمہ کررہے ہیں۔ ان کے مختصر مضامین میں بھی ادب کی پارکھی نظر پائی جاتی ہے۔ غیر ملک میں بیٹھ کر انجانے شخص کی تحریروں کا جائزہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان کے مضمون کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔'' (ڈاکٹر سید شجاعت علی)

واقعہ کربلا ایک ایسی صداقت ہے۔ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی اور کبھی بھی نہیں مل سکتی۔ اب جو شاعر اس صداقت پر ایمان رکھتا ہو اور دل و جان کی گہرائیوں سے اس واقعے کو محسوس کرتا ہو، وہ اس صداقت کی عکاسی میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ فارسی ادب میں ہر دور کے اکابر شعراء سے لے کر عام شعراء تک بیشتر نے اس واقعے کے متعلق اپنے جذبات کو شعری لباس میں مرثیے کی صفت میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہترین مرثیہ اور اس ضمن میں تاریخی صداقت کے بہترین اظہار محتشم کاشی کے مرثیوں کی شکل میں سامنے ہیں۔

اردو شعراء نے بھی اپنی اپنی ادبی بضاعتوں کے پیش نظر کلاسیکی عہد سے لے کر جدید دور تک اور مسلمان شعراء سے لے کر غیر مسلم شعراء تک، اکثریت نے صنف مرثیہ میں واقعہ کربلا کو موضوع سخن بنایا ہے۔ لیکن تاریخ ادب اُردو اس بات کی گواہ ہے کہ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ دونوں نے مذکورہ صداقت کو بہترین شکل میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے جن موتیوں سے اُردو ادب کے دامن بھر دیئے اور جو مرثیے لکھے، ایسا لکھنے کی توفیق کم شعراء کو حاصل ہوئی۔

ڈاکٹر سید شجاعت علی صاحب کو اردو ادب میں نظم و نثر دونوں میدانوں کے ادب پر مکمل طور پر عبور حاصل ہے اور انہوں نے اردو ادب کا سیر حاصل مطالعہ کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے کئی تنقیدی مضامین منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ اس بات کے ثبوت میں ان کی کتابیں اور مختلف رسائل میں شائع مضامین پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں اردو مرثیے کے متعلق ان کے تین مضامین کا ذکر کرکے ان کی اس صنف پر گہری نظر کا مختصر طور پر ذکر کیا جائے گا۔

(۱) آزادی کے بعد دکن میں جدید مرثیہ

(۲) منتخب رثائی رباعیات مرزا دبیر

(۳) غیر مسلم مرثیہ گو شعراء۔ ایک سرسری جائزہ

یوں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے واقعہ کربلا کی صداقت کا پوری طرح ادراک کرکے تین مضامین اس موضوع پر سپرد قلم کئے ہیں۔ 'آزادی کے بعد دکن میں جدید مرثیہ' کے سلسلے میں ڈاکٹر شجاعت علی رقم طراز ہیں :

''جدید مرثیے کی روح، فکری عنصر ہے جو جدید مرثیہ کو قدیم مرثیے سے جدا کرتا ہے۔'' اس فقرے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کو اس صنف کی تبدیلیوں کا بخوبی پتہ ہے۔''

اس بحث کے شروع میں واقعہ کربلا اور اس کی صداقت پر بات ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا دوسرے مضمون ''منتخب رثائی رباعیات مرزا دبیر'' میں ڈاکٹر سید شجاعت علی کی تحریر سے بھی اس بات کی ضمنی تصدیق یوں سامنے آئی ہے :

''اچھی شاعری کے لیے جذبات کا ہونا ضروری ہے اور کربلا کے سانحے کو بیان کرتے وقت، فن تخلیق کرنا ایک معجزہ سے کم نہیں اور یہ معجزہ دبیر کی رثائی ادب میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔''

اس مضمون کے مطالعے سے ڈاکٹر صاحب کی میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مراثی اور مراثی کے خصوصیات سے آگاہی کا ثبوت ملتا ہے۔

تیسرا مضمون ''غیر مسلم مرثیہ گو شعراء ایک سرسری جائزہ'' ہے۔ اس میں چند غیر مسلم مرثیہ گو شعراء کا چند سطروں میں تعارف اور ان کے مراثی کی عمدہ خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر شجاعت علی :

''غیر مسلم شعراء نے بھی امام حُسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی حق پرستی، وفاداری، اصول پرستی، ثابت قدمی، اعلیٰ ظرفی پر کچھ اس طرح اشعار کہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بن گئے۔''

ان کے خیال میں غیر مسلم مرثیہ گو شعراء کی فہرست خاصی طویل ہے۔ تو اس طوالت کے پیش نظر، انہوں نے اس مضمون میں آزادی کے بعد چند اہم غیر مسلم شعراء کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ آخر میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر سید شجاعت علی ہندوستان کی ادبی محافل میں اردو ادب کے نقاد اور افسانہ نگار کے طور پر مشہور ہیں۔ اور اُردو ادب کی توسیع اور ہمہ گیری کے لئے ان کی یہ سب خدمات قابل قدر ہیں۔

☆☆☆

''لہجوں کی مہک'' کا سرسری جائزہ

● شارب ردولوی

اردو ادب کا کون سا ایسا قاری ہوگا جو علیم صبا نویدی کی شاعری اور تنقیدی صلاحیتوں کا قائل نہ ہو۔ اسی طرح اردو کے قاری ''لہجوں کی مہک'' کے مصنف جناب سراج زیبائی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لہجوں کی مہک کا یہ دوسرا حصہ ہے جو شائع ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے ایک حصہ شائع ہو کر قارئین میں مقبول ہو چکا ہے۔ ''لہجوں کی مہک'' کے مصنف سراج زیبائی اور اس کے مرتب علیم صبا نویدی دکن کی ادبی تاریخ کا حصہ ہیں۔ دکن میں تمل، تیلگو زبانوں کے ساتھ اردو کا چلن رہا ہے۔ تمل ناڈو میں نوابین ارکاٹ کا اردو کی سرپرستی اور اس کے فروغ میں جو حصہ رہا ہے اسے تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔ ساتھ ہی دکن کے شعراء و ادباء شمالی ہند کی ادبی تحریکات سے واقف بھی رہے ہیں اور متاثر بھی ہوئے ہیں۔ تمل ناڈو اور کرناٹک کے شاعروں اور ادیبوں کی فہرست اگر دیکھی جائے تو محسوس ہوگا کہ جیسے اردو یہیں فروغ پائی ہے۔ میں ذاتی طور پر بہت سے شعرا سے واقف رہا ہوں۔ ان جگہوں پر صرف اردو شاعری ہی کو فروغ نہیں ہوا بلکہ دوسری اصناف ڈرامہ، رپورتاژ، خاکہ نگاری وغیرہ کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ سراج زیبائی نے لہجوں کی مہک کے پہلے حصے میں جن ادبا و شعرا کا ذکر کیا ہے ان میں ساجد سلیم، عزیز بلگرامی، اکبر ظاہر، ڈاکٹر امتیاز باشا اور ڈرامہ نگار فرحت ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ تمام شعرا پر مبنی نہیں ہے اور چونکہ ادبا و شعرا کی ایک بڑی تعداد ہے اس لئے سراج زیبائی کو اپنی کتاب کا دوسرا حصہ شائع کرنے کا ارادہ کرنا پڑا۔ یہ بڑی بات ہے کہ ان کو علیم صبا نویدی جیسا شاعر و ناقد مرتب کی شکل میں مل گیا۔

لہجوں کی مہک کے دوسرے حصے میں علیم صبا نویدی نے چوبیس مضامین شائع کئے ہیں، جس میں ترقی پسند عہد کے شعرا ساحر لدھیانوی، احمد فراز سے لے کر جدید عہد کے شعرا و ادباء محمود ایاز، مختار بدری وغیرہ تک شامل ہیں۔ ان مضامین کو سراج زیبائی نے بہت توجہ اور مطالعہ کے بعد شامل کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ اردو ادب کے وسیع احاطہ پر بہت گہری ہے۔ انھوں نے اگر احمد فراز اور ساحر لدھیانوی کی شاعری کا تجزیہ کیا تو اسی کے ساتھ وانم باڑی کے اہم شاعر عتیق جاذب کی شاعری میں زبان و بیان کی وسعتیں اور سلاست پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اسی طرح یہ مجموعہ پوری اردو دنیا کا احاطہ کر لیتا ہے جس میں کوئی ملکی سرحد نہیں ہے، جہاں اردو بولی جاتی ہے، لکھی جاتی ہے، جہاں اردو کے شعرا اور ادباء رہتے ہیں ان میں جو اہم نام انھیں ملے، ان پر انھوں نے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ میں ان مضامین پر کوئی تفصیلی گفتگو اس لئے بھی نہیں کرنا چاہتا کہ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد ہی اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ سراج زیبائی اردو کے کتنے کہنہ مشق قلمکار ہیں اور زبان پر ان کی گرفت کتنی اچھی ہے۔ وہ کرناٹک کے ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان کی مادری زبان کنڑ ہو لیکن اردو پر جو گرفت اظہار و بیان کی ان کے مضامین میں ملتی ہے اس سے کہیں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ غیر اردو علاقے میں رہنے والے کسی شخص کی زبان ہے۔

علیم صبانویدی

میں ان مضامین کے لئے سراج زیبائی کو مبارکباد دیتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ علیم صبا نویدی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں جنھوں نے ان کے مضامین کو پڑھا، پرکھا اور مرتب کیا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کتنے مصروف انسان ہیں پھر بھی ان کا اتنا وقت نکالنا اور اس کتاب کو ترتیب دینا سراج زیبائی کے لئے یقیناً خوشی کی بات ہوگی۔ میں لہجوں کی مہک کی دوسری جلد کی اشاعت کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆☆

غزل

سید بشیر احمد اسیر شیرالوی
(اورنگ آباد)

آخر کو آج عشق کا اظہار ہوگیا
میرا لبِ خموش بھی گفتار ہوگیا

دیکھی نہ گئی جب مرے گھر کی سیاہ رات
ہر داغ میرے دل کا ضیاء بار ہوگیا

کیا جانے کس خطا پہ نظر تو نے پھیر لی
جینا بھی دو گھڑی مجھے دشوار ہوگیا

سمجھے تھے جن کو ہم سدا غمخوارِ زندگی
ان کا سلوک جان کا آزار ہوگیا

کھولی تھی اُن کے جور و ستم پہ ابھی زباں
سارا زمانہ اُن کا طرف دار ہوگیا

آنکھوں میں اشک درد جگر میں رہا اسیر
سودا وفا کا دل پہ گراں بار ہوگیا

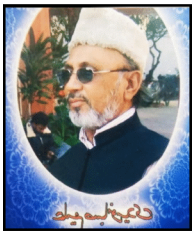

علیم صبا نویدی
(چنئی)
موبائل : 9840361399

پروفیسر قاضی حبیب احمد کی تصنیف

"قولِ سدید" کی معلوماتی خوشبوئیں

بقول رشید احمد صدیقی شہر مدراس میں جتنی دھوم دھام اور زور وشور سے اردو شاعری ہوئی ہے اُتنی تام جھام سے اردو نثر نگاری نہیں ہوئی۔ رشید احمد صدیقی کے علاوہ ایسے خیالات کا اظہار پروفیسر احتشام حسین، وشوامترا عادل اور نیاز حیدر نے بھی اپنی اپنی تحریروں میں کیا ہے۔اس کا فطری اور جبلتی سبب یہی ہے کہ صنفِ شاعری کواس لئے اپنالیا جاتا ہے کہ یہ ایک تن آسان صنفِ سخن ہے جوگنی چنی بحروں اور قوافیوں پر سکہ بند شاعری کے بطور جاری وساری رہی ہے۔اس نشہ آور مشغلے کا انجام اس موڑ پر پہنچا کہ شعراء حضرات اردو نثر نگاری جیسے اہم فن کونظر انداز کر بیٹھے لیکن اس جنونی جمود کوتوڑتے ہوئے کچھ احباب و اربابِ فن منظر ادب پر آئے اور میدانِ نثر کے شہ شوار بن کر اپنی نثری تخلیقات کے ذریعہ تملناڈو (مدراس) میں نثری اہمیت کالوہا منوایا جس میں سرفہرست آرکاٹ کے شاہ سلطان (المتوفی ۱۶۸۵ء) کا نام آتا ہے،جن کی نثری تصانیف "زنجیرہ" اور "دارالاسرار" منصۂ شہود پر آئی ہیں۔شاہ سلطان کے بعد کی نسل میں سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری، سید شاہ مہربان فخری میلاپوری، مولانا باقر آگاہ ویلوری اور ذوقی ویلوری وغیرہ اور بیسویں صدی میں مولانا ابوالبرکات انور، مولانا رحیم احمد فاروقی آزاد،مولانا کمالی ویلوری،مولانا اسماعیل رفیعی ،مولانا ابوالبیان حماد،مولانا سید عظمت اللہ سرمدی، منشی عبدالعزیز عادل،مولانا نثارنگری،پروفیسر حیدرعلی خان حیدر، پروفیسر محبوب پاشاہ محبوب، مولانا یوسف کوکنی، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر ذاکرہ غوث، مولانا سروش داؤدی، مولانا زاہد اعظمی، مولانا فدوی باقوی، مولانا جعفر حسین، فیضی صدیقی، کاوش بدری، راز امتیاز، دانش فرازی، محی الدین عارف، مولانا راہی صدیقی، حسرت سہروردی، اعجاز شاکری، رشید مدراسی، علی اکبر آمبوری، ادیب بھارتی، عبدالغنی مدراسی، سید سلطان بہمنی، حکیم افسر پاشاہ، عزیز تمنائی، مختار بدری، عابد صفی ظہیر آفاق، حبیب اللہ شاہ، حسن فیاض، علیم صبا نویدی، سجاد بخاری، شعیب احمد کاف، اکبر زاہد، مولانا رضا الآمری اور سراج زیبائی نے اردو نثر نگاری کی عظمت کو دوبارہ بحال کر کے نہ صرف تملناڈو کی پہچان کروائی بلکہ شمالی ہند کے اکابرین ادب کو باور کرایا کہ جنوبی ہند کے بیشتر نامور شعراء کے علاوہ اردو نثر نگاروں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود ہے جس کا تفصیلی ذکر "تاریخ ادب اردو تملناڈو" (حصہ اول) اور حصہ دوم (علیم صبا نویدی، ڈاکٹر جاویدہ حبیب) میں موجود ہے۔

تملناڈو کے خواتین نثر نگاروں کا بھی یہاں ذکر لازمی ہے جنھوں نے اپنے مضامین اور افسانوں کے ذریعے تملناڈو کے نثری ادب کو نورعلی نور بنایا۔ خواتین نثر نگاروں میں پروین فاطمہ، کشور صفی، صبا مصطفےٰ، منور رشید، فاطمہ رئیس، امیر النساء، مہر طلعت آمبوری آصفیہ شاکر، نزہت نازنین، عرفانہ تبسم، نعیمہ پرویز، عارفہ تزئین، شبنم اور جاوید حبیب۔ دنیائے اردو ادب میں بڑی حق تلفی ہوگی اگر ہم میدانِ نثر کے شہ سواروں میں قلندر دکن کاوش بدری کا نام نہ لیں، حضرت موصوف نے ماہ نامہ "فن کار" اور ماہنامہ "منزل" کے ذریعہ یہاں کے شعراء ادباء اور افسانہ نگاروں کی نگارشات کو منظر عام پر لاکر اُن کی بھرپور شناخت کروائی ہے اور اُس دَور کے یہ مذکورہ ماہنامے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حالیہ دور میں نثر نگاری کے میدان میں ڈاکٹر قاضی حبیب احمد اپنی ایک معتبر شناخت لے کر عالم شہود پر آئے ہیں موصوف کی پہلی تحقیقی اور تنقیدی کتاب "قولِ سدید"، تمل ناڈو کے نثری پس منظر میں ایک اضافے کا مرتبہ رکھتی ہے جس میں موصوف نے تمل ناڈو میں نعت گوئی، تمل ناڈو کا قدیم ترین روزنامہ اخبار "مسلمان" عزیز تمنائی کی سانیٹ نگاری، امیر النساء کا سفر نامۂ پاکستان، شہر پر نام پیٹ کے دواخانے اور طبی خدمات، مسلم سیاست کا ایک مرد قلندر محمد اسمٰعیل، تمل ناڈو کی خواتین افسانہ نگار اردو تمل زبان اردو سیاسی سماجی اور لسانی اثرات جیسے زرین اور اہم مضامین ومقالات سے اپنے مجموعے کو سجایا ہے۔

☆ روزنامہ مسلمان جس میں مصنف بھی کتاب بحیثیت نامہ نگار اپنی خدمات پیش کر چکے ہیں جن کے اداریے اُس دور میں اخبار کی وقیع اہمیت اور افادیت کا جزوکل ثابت ہوئے۔

☆ عزیز تمنائی کی سانیٹ نگاری جو کہ اردو ادب میں اولین سانیٹ نگار کا مرتبہ رکھتی ہے۔اس کے تعلق سے قاضی حبیب احمد نے بصیرت افروز تبصرے سے قارئین کونوازا ہے۔

☆امیر النساء کا سفر نامۂ پاکستان جس میں امیر النساء نے اس سفر نامے کو نسوانی جذبات کا مرقع بنایا ہے اور بڑے دل پذیر انداز میں اپنے سفر و سیاحت کا نقشہ کھینچا ہے جو فنِ سفر نامہ میں اضافہ کا درجہ رکھتا ہے۔

☆ شہر پر نام بٹ کی طبی خدمات اس لیے بھی اپنی اہمیت منواتی ہیں کہ یہاں کے حکماء و اطباء شہر بیجاپور سے آکر اسی طرح یہاں مقیم ہوگئے ہیں جس طرح شہر ویلور (دارالسُرور) میں شعراء اور علماء و ادباء آکر رہائش پذیر ہوئے ان حکیموں اور طبیبوں میں قاضی حبیب احمد بطور طبیب اپنا ایک آبائی اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

☆مسلم سیاست دان قائد ملت محمد اسمٰعیل پر ایک مضمون لکھا ہے وہ اس لیے اہمیت کا درجہ رکھتا ہے کہ قائد ملت محمد اسمٰعیل اپنے عہد کے ممتاز اور جداگانہ سیاسی شخصیت کے مالک تھے جو دمِ آخر تک مہاتما گاندھی کے اُصولوں پر کاربند رہے، عوامی خدمات کے علاوہ بالخصوص مسلمانوں کو انہوں نے ہندوستان کا پیدائشی شہری ہونا ثابت کرایا، انہوں نے دولت اور ثروت کے ہوتے ہوئے بھی نہایت سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کر آج کل کے لیڈروں کے لیے درس آگہی دیا ہے۔

☆ حیدرآباد کے ڈھولک گیت اور وہاں کے ثقافتی پس منظر میں قاضی حبیب احمد نے بڑے دلکش پیرائے میں ڈھولک گیت میں خواتین کا حصہ لینا، شادی بیاہ، میلاد کی تقریبات میں ڈھولک گیت کے ذریعہ اپنے نسوانی جذبات کا اظہار کرنا، بڑے سُریلے لب ولہجہ میں پیش کیا ہے جبکہ تلنگانہ میں ڈھولک اور ڈفلی کے ذریعہ ثقافتی کلچر سمایا ہوا ہے مزدور اور کسان نے دیہاتی پس منظر میں ایسے ایسے گیت اور ''بُرا کھتا'' جو دورِ قدیم سے جاری ایک قدیم عوامی فن ہے جس کا تذکرہ انھوں نے کیا ہے۔

☆تمل ناڈو کی خواتین افسانہ نگاروں میں حجاب امتیاز علی تاج کا اس لیے نمایاں طور پر ذکر کیا ہے کہ بقول مولانا نصیر الدین ہاشمی ان کی ماں عباسی بیگم تمل ناڈو کی پہلی افسانہ نگار خاتون تھیں جو شمالی آرکاٹ وانمباڑی میں بود و باش رکھتی تھیں۔

☆تمل ناڈو میں اردو کی سیاسی سماجی اور لسانی اثرات میں قاضی حبیب احمد نے نوابانِ آرکاٹ کے دورِ اقتدار میں اردو ادب کے کارہائے نمایاں کا مفصل طور پر تذکرہ کیا ہے جبکہ 1717ء میں (Fort Saint George College) قائم ہوا تھا جس میں اردو اور دکنی زبانوں کے ترجموں کے علاوہ فارسی اور عربی تصنیفات کا بھی احاطہ کیا ہے۔

☆تمل ناڈو میں ترجمہ نگاری نامی مضمون میں قاضی حبیب احمد نے یہاں کے نمائندہ مترجموں مثلاً ایس۔ایم حیات، حسرتؔ سہروردی، مختارؔ بدری، سجادؔ بخاری، حیات افتخار، فیضؔ قادری اور علیم صباؔ نویدی کے نام ان کی تصنیفات کے شواہد کے ساتھ واضح طور پر پیش کیے ہیں۔

☆تمل زبان سے اردو تراجم کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے بھی تمل زبان میں تراجم کر کے تمل ناڈو کی لسانی تاریخ میں تمل کے ادیبوں نے اپنے فن تراجم کی مہر ثبت کر دی ہے۔

☆تمل ناڈو میں ثانوی سطح اردو تدریسی میں قاضی حبیب احمد نے تمل ناڈو کے ماضی اور حال کے اساتذہ کا موازنہ کرتے ہوئے موجودہ دور کے اساتذہ کی مجہولیت، عدم توجہی اور غفلتِ تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ یہ مشاہدہ وہ آنکھن دیکھی کے بطور من وعن کرنے میں کامیاب رہے ہیں چونکہ وہ خود بھی ایک مدرس ہیں۔

☆☆☆

بقیہ: وہ میری دہلیز تک

چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں نہ موت ہے نہ زندگی ہے
نہ جانے کن خلاؤں میں پڑا ہوں

چارسو ظلمتیں چھا گئی ہیں
چاند میرا کہاں کھو گیا ہے

اس طرح تو جدا ہوتا ہے کہ لگتا ہے مجھے
تو نہیں ہے مرے دلبر میں تیرا سایہ ہے

کرتے ہیں مجرم کی طرح برتاؤ
لگتا ہے یہ جیل تہاڑ ہے

یہ دور کلجگ ہے ارشدؔ
ورنہ آدمی اچھا نہ برا تھا

محمد ارشد صدیقی نے غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی لکھی ہیں۔ قطعات بھی کہے ہیں۔ نظمیں، احساسات اور تاثرات کے منقش عکس ہیں۔ انھوں نے بڑی سادگی کے ساتھ وجودیت، شناخت ملیامیٹ ہونے والے آمد اور شب و روز کی تلخیوں کا اظہار کیا ہے۔ ادبی فیشن پرستی سے دور چونکا دینے والے اشعار ان کے یہاں نہیں پائے جاتے، لیکن کلام میں ایک تاثیر حلاوت اور خلوص کا جا بجا احساس ہوتا ہے۔ ان کے کلام کی صحیح چھان پھٹک تو کوئی نقاد ہی کر سکے گا۔ میں نے صرف اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کا یہ مجموعہ عوام و خواص میں مقبول ہوگا۔

☆☆☆

مجید بیدار ایک پیکر میں کئی تخلیقی خوبیاں

افتخار امام صدیقی (ممبئی)

پروفیسر مجید بیدار کا تعلق حیدرآباد فرخندہ بنیاد سے ضرور ہے لیکن اُردو جہاں میں وہ خاصے مشہور ہیں اپنی بذلہ سنجی، تنقیدی جملوں، تخلیقی مباحث کے علاوہ اُردو نصابات میں بھی موصوف کا عمل دخل ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر سفر میں رہتے ہیں کہ VIVA کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کا قلم، کاغذ پر سفر کرتا رہتا ہے۔ وہ بنیادی طور پر نثر نگار ہیں لیکن ان کا شعری وجدان نہایت حساس ہے۔ شائستہ گفتگو کے ماہر بیدار کی تحریر و تقریر میں مطالعہ کار فرما رہتا ہے۔

کسی زمانے میں جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) نے ایک دار الترجمہ قائم کیا تھا۔ اس کے تمام تر ماہرین سے کتابوں کا اُردو ترجمہ کروایا تھا۔ جس میں سائنسی اصطلاحات کی اُردو میں متبادل اصطلاح طئے کی گئی تھیں۔ پروفیسر مجید بیدار نے دارالترجمہ کی ادبی خدمات پر (۱۹۷۹ء) میں ایک تحقیقی کتاب ''دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی ادبی خدمات'' شائع کی تھی۔ اس میں انہوں نے دارالترجمہ کے تحت اُردو میں ترجمہ شدہ تمام کتابوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ اس طرح اپنے وقت کا ایک عظیم ادارہ جس کا آج کوئی وجود نہیں اس کی پوری تاریخ مجید بیدار کی کتاب میں سما گئی۔

ادبی تذکرہ نگاری ماضی میں عام تھی۔ اس موضوع پر محترم ساحل احمد کی بھی کتاب ہے لیکن مجید بیدار نے اس سے آگے کا تحقیقی کام کیا ہے۔ ''دکنی تذکرے'' (۱۹۸۵ء) ان کا اہم مقالہ ہے جس میں تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ گو کہ افسانہ، ناول اور داستان ان کا موضوع نہیں ہے۔ پھر بھی ''ناول اور متعلقات ناول'' ۱۹۹۰ء کتاب قلم بند کی تھی، بچوں کے لیے بھی کہانیاں لکھی تھیں ''خوبی جادوگر'' (۱۹۶۵ء) کے نام سے ایک کتاب موجود ہے۔ لیکن شاید وہ بچوں کے لیے مزید کہانیاں نہیں لکھ سکے۔

ماضی میں خوش نویس گزرے ہیں اور ان کی خطاطی پر کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ حیدرآباد میں پروین رقم، اعجاز رقم وغیرہ خوش نویس گزرے ہیں۔ وہ سلام خوش نویس سے رجوع ہوئے تھے۔ مجید بیدار نے خوش خطی پر ایک رسالہ ''صوتی درس'' ۱۹۹۳ء میں شائع کیا۔ مجروح سلطانپوری نے شعری مجموعے غزل کی کتابت کے لیے سلام خوش نویس کی خدمات حاصل کی تھی۔

خاکسار کو ان کی جو کتاب زیادہ پسند آئی وہ ہے ''نثری بیانیہ'' (۲۰۰۵ء) اپنے موضوع پر اُردو میں یہ ایک اہم ترین کتاب ہے کہ کسی زمانے میں جدیدیت کا زبردست شور تھا اور بیشتر نئے قلم کار لایعنی افسانے اور شاعری کر رہے تھے۔ ترقی پسندوں کے تخلیقی بیانیہ کے خلاف جدیدیوں نے تحریک چلائی تھی اور قاری کی موت کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ لیکن ۱۹۸۰ء کے بعد کا تخلیقی بیانیہ ہے جس نے افسانہ ناول اور شاعری کو ایک نئی تخلیقی زندگی دی ہے۔

مثنوی کی چار سو سالہ تاریخ میں جتنی مثنویاں ملتی ہیں ان میں بیان کردہ قصہ تخلیقی شاعری کا اعلیٰ معیار قائم کرتا ہے۔ ''مثنوی سحر البیان''، ''مثنوی زہر عشق''، ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ''، ''رانی کیتکی کی کہانی''، ''مثنوی گلزار نسیم'' ان سب میں آخر الذکر میں جو تخلیقی بیانیہ ہے وہ ایک مثال ہے۔

پروفیسر مجید بیدار

نثر کے نمونوں میں مرزا غالب کے خطوط رشید احمد صدیقی کی ظریفانہ نثر اور آج کے مشہور ترین مزاح نگار مجتبیٰ حسین جن کا تخلیقی بیانیہ تیسری نسل کے لیے کسی قطب نما سے کم نہیں۔ مجید بیدار نے نثری بیانیہ کو موضوع کا موقف دیتے ہوئے اس کے تمام ممکنہ مباحث کو قلم بند کر دیا ہے۔

ماضی میں سرسید کی ادبی نثر ایک علاحدہ باب ہے۔ سر سید نے اپنی نثری تحریروں میں فکری بیانیہ کو فروغ دیا تھا۔ ان کی اس نوع کی نثر کا تعلق غیر افسانوی نثر سے تھا۔ سرسید کے نقادوں نے بھی اسی فطری نثر کا سہارا لیا تھا۔ مجید بیدار کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے فطری بیانیہ کو نثری وضاحتیہ سے تشبیہ دی اور اس پر خاصی طویل بحث بھی کی۔ اور ایک اور اصطلاح بھی پروفیسر صاحب نے وضع کر دی اور وہ ہے ''مستحکم بیانیہ''۔

منشی پریم چند نے پہلی بار دیہات کو اپنا موضوع بنایا تھا۔ وہ افسانہ ہو یا ناول ان کے یہاں تخلیقی بیانیہ کم بلکہ وضاحتی بیانیہ زیادہ ہے جسے مستحکم بیانیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک نے اس مستحکم بیانیہ کو اپنے افسانوں میں رواج دیا تھا۔ منشی پریم چند کے بعد ایک ایسے تخلیق کار کا نام آتا ہے کہ جس کے افسانوں اور ناولوں میں شاعرانہ نثر کا غلبہ ملتا ہے۔ پریم چند کے بعد ایسی نثر کرشن چندر کے ہاں ملتی ہے جبکہ بیدی کی تخلیقی نثر قدرے پیچیدہ ہے۔ لیکن سعادت حسن منٹو کا تخلیقی

بیانیہ وہ چاہے افسانچوں میں ہو یا خاکوں میں مجید بیدار نے ان کی نثر کو مستحکم نثر سے تعبیر کیا ہے اور یہ کہ ترقی پسندوں کے افسانوں میں ''مستحکم بیانیہ'' موجود ہے۔ بلکہ پورے ترقی پسند افسانوں اور ناولوں میں یہی مستحکم بیانیہ غالب رہا ہے۔ اس طرح مجید بیدار نے نثری بیانیہ کو فطری بیانیہ اور پھر مستحکم بیانیہ کے باب میں رکھا ہے۔ سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، ل۔احمد، پنڈت سدرشن، یہ چند ایسے افسانہ نگار ہیں کہ جن کے یہاں مجید بیدار کو مستحکم نثر کے نمونے ملتے ہیں۔ عظیم بیگ چغتائی، عصمت چغتائی بھی مستحکم نثر کے باب میں آتے ہیں۔ مجید بیدار نے نثری بیانیہ کے مختلف انداز افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے باہمی رشتے، اردو میں وضاحتیہ اور ان کے مختلف انداز، اردو میں بیانیہ نثر کی مستحکم روایت کا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیا ہے۔ اور داستانوں میں بیانیہ کے مختلف انداز اور تخلیقی نثر میں بیانیہ کے چند نمائندہ فنکاروں کی اپنی کاوش کے بارے میں مجید بیدار دیباچے میں لکھتے ہیں۔

''نثری بیانیہ'' جیسی کتاب تحریر کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ رہی کہ اردو کی تخلیقی و تنقیدی تاریخ میں ''بیانیہ'' پر اظہار خیال کرنے کے معاملہ میں بیشتر دانشوروں نے اجتناب برتا ہے۔ انہوں نے بیانیہ کی ضرورت کو تو محسوس کیا لیکن اس کی وضاحت اور تشریح کے سلسلہ میں علمی و ادبی نہج سے خود کو دور رکھا۔ اسی لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ بیانیہ سے متعلق مختلف عنوانات کا انتخاب کرکے ان پر سیر حاصل بحث کی جائے اور ان کے توسط سے بیانیہ کے حدود کا تعین اور اس کے مختلف اقسام کی نشاندہی بھی کی جائے۔'' اپنی اس معرکتہ الآراء کتاب میں جو اصطلاحات مجید بیدار نے خلق کی ہیں ان کا تعلق ان کی فکری سوچ سے ہے۔

مجید بیدار کی ایک اور کتاب ''دکنی نثر پر ایک نظر'' (۲۰۰۷ء) میں شائع ہوئی۔ یہ ایک اہم کتاب ہے جس میں بندہ نواز کے رسائل، برہان الدین جانم کی خدمات۔ ملا وجہی کی سب رس، اس طرح دکنی نثر کے تمام اہم نام ان کی کتابیں اور تنقیدی و تحقیقی تجزیے نے اس کتاب کو دستاویزی حیثیت کا حامل بنا دیا ہے۔ مجید بیدار خاکہ نگار بھی ہیں۔ ان کے خاکوں کا مجموعہ'' ڈوبتے ابھرتے جزیرے'' ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں ۴۹ شخصیات پر تخلیقی بیانیہ میں خاکے تحریر کئے گئے ہیں۔ ان میں مرحومین بھی ہیں اور معاصرین بھی ہیں۔ مجید بیدار نے خاکہ اور مرقع نگاری کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔ خاکہ اڑانا ایک محاورہ ہے اور عموماً اس میں کسی بھی اہم شخصیت کا خاکہ اڑایا جاتا ہے۔ اس میں ظریفانہ نثر کا تخلیقی بیانیہ شامل ہوتا ہے۔

مجید بیدار نے پہلی بار خاکہ اور مرقع نگاری کے فرق کو تخلیقی اظہار یہ کہا ہے۔ ان میں حیدرآباد اور اورنگ آباد کی شخصیات کے خاکے شامل ہیں۔ اپنے خاکوں اور مرقعوں کے بارے میں مجید بیدار لکھتے ہیں کہ :

''بلاشبہ خاکہ یا مرقع نگاری کے دوران مدبرانہ منطق کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور شخصیت کی پیکر تراشی اور اس کے مشاغل اور عادات و اطوار کے علاوہ پسند اور ناپسند کے اظہار کے دوران فکر و تخیل کے علاوہ دلچسپ ربط اور پیرایہ کے ذریعہ ہی ''خاکہ یا مرقع'' کی دنیا روشن ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ایک خاکہ یا مرقع نگار کو تخلیق کار کی طرح بیشمار صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ بسا اوقات خاکہ یا مرقع نگار کو ایک افسانہ نگار کی طرح شخصیت کا پلاٹ بننے کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ اپنی قوتِ آخذہ کی مدد سے قوت متخیلہ کو کام میں لاتے ہوئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ شخصیت اور پیکر کے عوامل کو خاکہ میں کہاں جگہ دینی چاہیے اور شخصیت کے کارناموں کا بیان خاکہ یا مرقع کے کس حصہ میں ہونا چاہیے۔ اسی لیے یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ایک خاکہ یا مرقع نگار صرف شخصیت کے دلچسپ حالات لکھتا یا بیان نہیں کرتا بلکہ شخصیت اور اس کے کارناموں کے بیان کی ایسی سحر انگیز فضاء تیار کرتا اور شخصیت میں پوشیدہ حالات اور واقعات کی ایسی کہانی بنتا ہے کہ جس کی وجہ سے خاکہ یا مرقع میں افسانوی حقیقت کا شبہ ہونے لگتا ہے۔''

اس کتاب میں سکندر علی وجدؔ، خواجہ عبدالغفور، عالم خوندمیری، شاذ تمکنت، حسینی جاوید، مولوی اختر الزماں ناصر، طیب انصاری، ابوالفیض سحر، سلیمان اطہر جاوید، عصمت جاوید، جاوید ناصر ایسے نامور قلمکاروں کے خاکے شامل ہیں۔

پروفیسر مجید بیدار نے اپنے خاکوں اور مرقعوں میں جہاں تخلیقی بیانیہ سے کام لیا ہے وہیں وضاحتیہ اور مستحکم نثر کو بھی روا رکھا ہے۔ اس طرح یہ کتاب پر اعتبار سے دلچسپ ہوگئی ہے۔ اب انتظار ہے مجید بیدار کے شعری مجموعے کا کہ اس میں کس طرح کا تخلیقی اظہار یہ شاعری بنے گا۔

☆☆☆

ایک شعر

زلف کی بات نہ کاجل کی بات کرنی ہے
کیوں برستے نہیں بادل کی بات کرنی ہے

(ڈاکٹر سلیم نواز جعفر آبادی)

وہ میری دہلیز تک آ کر رک گیا ہے

● م۔ناگ (مرحوم)
سابقہ فیچر ایڈیٹر، روزنامہ ''تعمیر'' بیڑ

محمد ارشد صدیقی کی شاعرانہ کاوشوں پر میں نے مختصراً اپنے تاثرات تحریر کئے ہیں۔ ان کی شاعری کی صحیح قدر و قیمت تو وقت ہی طئے کرے گا، کیونکہ وقت سے بڑا نقاد کوئی نہیں۔

میں نے اس مختصر مضمون کا عنوان محمد ارشد صدیقی کی غزل کے ایک مصرعے کو بنایا ہے، وہ میری دہلیز تک آ کر رک گیا ہے۔

وہ محبوب بھی ہے اور قاری بھی اور شاعر کا اپنا وجود بھی ہوسکتا ہے۔

دہلیز تک آ کر رکنے کے بعد ہی اندرون و بیرون کا مطالعہ ممکن ہے۔ اسی مصرعے کے بعد کا مصرعہ ہے۔

تختی پہ کیا لکھا ہے؟ اور یہی راز و نیاز جاننے کے لئے تو محمد ارشد صدیقی نے شاعری کا وسیلہ اپنایا ہے جسے پڑھ کر قاری بھی روشنی کی کرن حاصل کرلے گا۔

گذشتہ ۵۰ برسوں میں بیڑ و آس پاس کئی استاد شاعر گذرے ہیں۔ استاد شعراء کے مخطوطے و مسودے ان کے اہل خانہ کے پاس موجود ہیں۔ لیکن وارثین کو کلام بزرگان سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ اگر کوئی محقق اس جانب توجہ کرے تو بڑا اہم کام انجام پاسکتا ہے۔

۱۹۷۰ء کے بعد یہاں سے شاعری کی ایک بلند آواز احسن یوسف زئی کی رہی ہے جنھوں نے پہلے ترقی پسندی کا رنگ اپنایا اور بعد میں جدیدیت کی طرف مائل ہوئے۔ ان کا کلام ہم عصر رسالوں کی زینت بھی بنا اور وہ مشاعروں میں بیرون علاقہ بلائے بھی گئے۔ احسن یوسف زئی کے تین شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اس دور کے وسائل جیسے آہنگ مورچہ، آب و رنگ (گیا)، تحریک (دہلی) کتاب (لکھنؤ) میں ان کی غزلیں باقاعدگی سے شائع ہوتی رہیں۔

۱۹۷۵ء کے بعد حمید سہروردی اور شاہ حسین نہری بہ سلسلہ ملازمت بیڑ آئے اور یہاں کی ادبی سرگرمیوں میں اضافہ کا سبب بنے تو نئے شعراء میں کچھ نیا کہنے کی تحریک جاگی۔

احسن یوسف زئی کے ذرا بعد والی نسل میں سید سجاد اختر، سجاد ظفر ناز کی اٹھان اسی دور کی مرہون منت ہیں۔ عبدالخالق شاعر، رؤف صادق کے علاوہ جمیل مرزا، سلیم چشتی جیسے کئی نام ابھر کر سامنے آ گئے لیکن ان لوگوں نے رسائل میں چھپنے چھپانے پر توجہ نہ دی۔ یہاں سے ممبئی جانے کے بعد رؤف صادق نے اپنا کلام رسائل میں بغرض اشاعت بھیجا۔ عبدالخالق ساغر کا ''لہولہو زمین'' اور ظفر خان ناز کا ''ہنستے زخم'' ایڈوکیٹ خواجہ منظور الدین کی کتاب ''پینا ہے آ کر ہی'' شائع ہوئے۔ ان تمام کے ساتھ ساتھ شاعری کی ابتداء کرنے والے محمد ارشد صدیقی کا نام نامی بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر عقیل ہاشمی کا کہنا ہے: کوئی بھی فلسفہ چاہے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ زندگی کے بارے میں کسی نہ کسی نظریے کی تبلیغ کرتا ہے جبکہ شاعری تبلیغ یا کسی نظریے سے اونچا اٹھ کر زندہ رہنے کا حوصلہ بخشتی ہے اور شاعر اپنے تخلیقی اعمال سے آسودگی، صداقت نیز آگہی و سچائی سے دوچار ہوتا ہے۔

محمد ارشد صدیقی کے یہاں خیال کی پاکیزگی اور اظہار کی برجستگی جابجا نظر آتی ہے۔ غزل خود اختصار کا نام ہے۔ ان کی شاعری میں یہ حسن و عشق کی کارفرمائیاں اور زمانے کے سرد و گرم رواں دواں ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں کسی بھی تحریک کے اثر کو قبول نہیں کیا بلکہ ایسی شاعری کی جو ہر لحاظ سے فنی اصولوں کی پابند ہونے کے ساتھ ساتھ دلوں پر اپنی جادوگری کے سلسلہ کو برقرار رکھتی ہے۔

محمد ارشد صدیقی کے کلام میں خلوص کی گرمی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ الفاظ کو نگینے کی طرح پرو کر اپنے کلام میں جڑنے کے قائل نہیں بلکہ اپنے جذبات و احساسات اور مشاہدات کو بہتر طریقے سے پیش کردیتے ہیں۔

وہ زندگی کے تلخ حقائق پر طنز بھی کرتے ہیں اور کہیں کہیں انھیں خندہ پیشانی سے قبول بھی کرتے ہیں۔

ان کے مجموعہ کلام میں ایسے کئی اشعار دکھائی دیتے ہیں، جن میں فکر کی گہرائی و گیرائی اور خیال کی بوقلمون نمایاں ہے۔ ایسے کئی اشعار ہیں جن کو تاثیر اور تجربے کی اساس پر پسند کیا جاسکتا ہے۔

(باقی صفحہ ۵۱ پر)

”قصے قدیر سیفی کے“ (سیفی نامہ)

(ایک وعدہ اور وصیت کے ضمن میں)

• سہیل بیابانی (اورنگ آباد)
موبائل : 9422658879

اموات کا لامتناہی سلسلہ تھمنے کے بعد ملک الموت اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ شہری زندگی لاک ڈاؤن اور کرفیو کی پابندیوں سے آزاد ہوئی۔ شہر میں پہلے جیسی گہما گہمی نہ تھی۔ ہر کوئی مردم بیزار، انسان انسان سے خوف کھایا، اپنے اپنے کام جلد سے جلد ختم کرنے کی کوشش میں تھا۔ دو برسوں میں شہر کا نقشہ بدلہ بدلہ نظر آنے لگا۔ کرونا کال کی پابندیوں کے باعث شہر کے دو بزرگ حضرات اپنے اپنے مکانوں میں بیٹھے تھے، وہ باہر نکل آئے۔ لیکن انھیں یہ دنیا پہلی جیسی نظر نہیں آئی۔ کچھ تو اپنی چال تو کیا چلنا ہی بھول گئے تھے۔ کچھ سماعت سے کمزور، کچھ بصارت سے مجبور اپنے دیرینہ ساتھیوں کو تلاش کرنے لگے۔ ان وظیفہ یاب بزرگان کا ایک ہی ٹھکانہ یعنی بینک تھا۔ وہ بھی بزرگوں سے خالی خالی نظر آیا۔ لیکن جیسے ہی دیوالی کی پنشن اور بقایہ رقم ایک ہفتے پہلے ملنے کی اطلاع اخبار کے ذریعہ ملی تو ان وظیفہ یاب بزرگوں کے منجمد خون میں گرمی آ گئی۔ بینک اُن کے لئے گویا عیدگاہ تھی جہاں رفقاء کی ملاقات کے ساتھ ساتھ عیدی (حق حسن خدمت) بھی بطورِ نذرانہ ملتی۔ بینک میں کئی بزرگ نظر آئے۔ اُن میں کچھ باریش بزرگ تھے تو کئی الحاج ہو گئے تھے۔ جو اپنے زمانے میں سر کہلاتے تھے اب مولوی صاحب کہلائے جانے لگے۔ بینک میں ہر کسی کو جلد سے جلد اُس کا نمبر آنے کا اور یافت لینے کا انتظار تھا کہ اچانک بینک کا سرور خراب ہو گیا۔ جواں اور کچھ بزرگ حضرات مایوس لوٹ گئے۔ اُن میں سے چار ڈھیٹ بزرگ چہار درویش کی طرح سرور کے ٹھیک ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ ان چار بزرگوں میں تین تو باریش تھے اور ایک بے ریش۔ ایک بزرگ کہنے لگے اپنی پناہ گاہ لکی ہوٹل بھی ٹوٹ گئی ورنہ سرور درست ہونے کا انتظار وہاں کرتے۔ دوسرے صاحب کہنے لگے اپنی زندگی کتنی اچھی گزری۔ اب تو مہنگائی، بے مروتی، بے صبری اور بھاگم بھاگ کی زندگی نے سماج کی اچھی قدروں کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ دوسرے بزرگ نے کہا کہ اپنے شریک کار بھی کتنے اچھے محنتی اور فرض شناس تھے۔ اُن کا ادب میں بھی مقام تھا۔ دوسرے صاحب نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا مولانا آزاد کے ادبی ستاروں کا کیا کہنا، صدر مدرس جے پی سعید اگر اسکول کے صدر مدرس نہ ہوتے کسی کالج کے پروفیسر ہوتے تو راہی قریشی کی طرح اور زیادہ جانے جاتے۔ ادب میں بلند مقام و مرتبہ پاتے، اُن کا بیڑہ لکی ہوٹل کے چائے نے غرق کیا۔ دوسرے بے ریش بزرگ نے کہا محمود شکیل ہندوستان سے زیادہ پاکستان میں جانے جاتے ہیں۔ اُن کے والد شیخ احمد مولوی عبدالحق کے شاگرد تھے۔ وہ اپنی کم آمیزی اور انا کی وجہ سے ناقدری کا شکار ہوئے۔ راجہ غضنفر علی (شفیق فاطمہ شعریٰ) کے بھائی اپنے لاابالی پن کی وجہ سے شاعری میں وہ مقام اور مرتبہ نہ پا سکے جس کے وہ حقدار تھے۔ وہ بھی دلاور فگار کی طرح بہت آگے جاتے۔ خلیل

صادق کے والد محترم نظیر احمد صدیقی جے جے اسکول آف آرٹس ممبئی پہلی بیچ کے طالب علم تھے۔ جے جے اسکول آف آرٹس کے گولڈن جبلی کے جشن کے وقت انہی کے دست مبارک سے شمع روشن کی گئی۔ خلیل صادق نے شاعری اور انشائیہ نگاری کی ابتداء کی لیکن انھوں نے بعد میں انشائیہ نگاری کے گھوڑے کو امرائی میں پیڑ سے باندھ دیا اور شاعری میں سرپٹ دوڑنے لگے۔ دوسرے بزرگ نے کہا انہوں نے ایک بزم بھی قائم کی تھی جس کے صدر قدیر سیفی تھے۔

پہلے بزرگ نے کہا: ہاں یاد آیا۔ بزم فروغ اردو ادب کے نام سے ایک بزم قائم کی تھی اور بزم کی ماہانہ نشستیں بھی ہوتی تھیں۔ بزم کی سرگرمیوں کا اظہار خط میں پاکستانی رشتہ دار سے کر دیا۔ محکمہ سراغ رسانی حرکت میں آیا اور استاد محترم جے پی سعید کو وضاحت کرکے غلط فہمی دور کرنی پڑی۔

ارے یاد آیا، قدیر سیفی سے بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی ورنہ ہر مہینے بینک میں ملاقات ہو جاتی تھی۔ بشرٹ پینٹ والے بزرگ نے کہا: کرونا کال سے پہلے بینک کی سیڑیوں پر میری ملاقات ہوئی تھی، میں نے سیڑھیاں چڑھنے میں اُن کی مدد کی تھی۔ وبائی مرض کی وجہ سے ہر کوئی بکھر گیا۔ ایک کو دوسرے کا پتہ نہیں۔ پہلے والے بزرگ نے کہا: آج کل وہ بیمار چل رہے ہیں۔ گر پڑے تھے۔ اخبار میں اُن کا خصوصی گوشہ بھی نکالا گیا ہے۔ پہلے والے بزرگ نے کہا میری آنکھیں کمزور ہو گئیں، اب تو اخبار بھی پڑھا نہیں جاتا۔ دوسرے بزرگ نے کہا: انگلش میڈیم، کمپیوٹر اور کیبل کلچر کی وجہ سے بھی نئی نسل دن بہ دن اردو سے دور

ہوتی جارہی ہے۔ تیسرے بزرگ نے خوشی میں کہا: اس لئے نئی نسل پنشن اسکیم سے بھی محروم ہے۔ بے ادب بے نصیب با ادب با نصیب۔ بے ریش بزرگ نے کہا: اورنگ آباد کے اردو کے جزیرے میں مولانا آزاد اسکول اور اُس کے اساتذہ ابھی باقی ہیں۔ اردو بھی ابھی باقی ہے۔ پہلے بزرگ نے کہا: آپ خلیل صادق پر آکر رک گئے، عارف خورشید کو بھول گئے۔ انھوں نے تو عالم گیر ادب اردو کا اشاعتی سلسلہ شروع کیا اور اردو کے عالمی ادب میں اپنے آپ کو منوایا۔ ویسے سعید زیدی بھی اچھا لکھ رہے ہیں اور یوسف ناظم کی راہ پر گامزن ہیں۔ جیسے ہی سرور کام کرنے لگا بینک کا نظام بحال ہوگیا چاروں بزرگوں نے پنشن لی اور اپنی اپنی راہ لی۔

مجھے جیسے ہی قدیر سیفی کی شدید علالت کا علم ہوا میں قیصر الدین کے ہمراہ وجاہت قریشی کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ گیا۔ تین منزلہ عمارت میں تیسری منزل پر اُن کا قیام تھا، یوں لگا کل تک وہ زمین سے قریب تھے آج آسمان سے قریب ہیں۔ حسب معمول ہم دونوں کا لیٹے لیٹے سلام کا جواب دیا، خوشی کا اظہار کیا، علالت کے باعث بے حد کمزور ہوگئے تھے، اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکے۔ بات کرتے کرتے سانس پھول رہی تھی۔ اس مرتبہ انہوں نے نہ کوئی طبی نسخہ دکھایا اور نہ کوئی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ تراشہ دکھایا بلکہ زندگی بھر کی روداد سے پُر ایک البم سامنے رکھ دیا۔ کہیں پر وہ مشاعرہ میں کلام سنا رہے ہیں تو کہیں میں سرسید کالج کے اسٹاف کے ساتھ براجمان نظر آرہے ہیں، کبھی سابق وزیر اعظم دیوے گوڑا کے ساتھ تو کبھی ساحر لدھیانوی کے ساتھ گروپ فوٹو میں۔ اسے دیکھ کر قیصر صاحب نے کہا: اس البم کو ہی چھپا دو، اردو تو کوئی پڑھتا پڑھاتا نہیں۔ سن کر ہنسنے لگے۔ واپسی پر گھر میں خیالوں میں گم ہوگیا۔ نصف صدی کی دیرینہ رفاقت، چھوٹے بڑے واقعات، شرارتیں یاد آنے لگیں اور میں دھیان کی سیڑھیوں سے نیچے ہی نیچے ماضی میں اترتا چلا گیا۔

مہاراجہ کشن پرشاد کی حویلی دیوڑھی راجہ بازار میں تھی۔ جس میں چیلی پورہ اسکول تھا۔ پونے گیارہ بجے صبح صبح ڈرل ماسٹر مڑے سر ساودھان وشرام کی صدا کے ساتھ بار بار سیٹی بجا رہے تھے۔ سیٹی کے بجنے کے بعد بھی نیچے کھڑے ہوئے بڑی عمر کے بچے اپنی شرارتوں میں مصروف تھے۔ مانا کہ اردو میڈیم کے طلباء کو قابو میں کرنا انھیں مشکل ہو رہا تھا۔ بڑی عمر کے شریر طلباء کو اپنی شرارت اور ہنر دکھانے کا موقع پیچھے ہونے کے سبب مل جایا کرتا تھا۔ آج بھی پچھلی صف کے طلباء مختلف آوازوں میں کوئی ''من ڈولے تن ڈولے میرا دل کا گیا قرار'' گنگنا رہا تھا تو کوئی ''ایک دن لالو روتے آئے آنسو سے منہ دھوتے آئے'' کی صدا لگا رہا تھا کہ اچانک ایک مولوی صاحب ایک گول مٹول گورے چٹے لڑکے کا ہاتھ تھامے دیوڑھی کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور صدر مدرس کے اجلاس کے سامنے جہاں اساتذہ کھڑے تھے اُن میں اردو کے استاذ سید امجد علی صاحب کے ہاتھ میں لڑکے کا ہاتھ دے کر کچھ باتیں کر کے روانہ ہوگئے۔

''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' اقبالؔ کی نظم کے بعد ''ہے پربھو آنند داتا گیان ہم کو دیجئے'' دعا پڑھی گئی اور طلباء اپنی اپنی جماعتوں میں جا کر بیٹھنے لگے۔ ہماری جماعت میں وہ گورا لڑکا ایک کونے کی بنچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب نے آتے ہی تعارف کروایا کہ یہ عبدالقدیر خان ہے، یہ آج سے آپ کے ساتھ پڑھیں گے۔ ایک معصوم سا سیدھا سادھا لڑکا ہماری کلاس میں شامل ہوگیا۔ جس پر ہر وقت پڑھائی کی دھن سوار رہتی تھی وہ استاد کے ہر لفظ کو اپنی کاپی میں نوٹ کر لیتا یہاں تک کہ کبھی کبھی شریر طلباء کے نام بھی لکھ لیتا۔ ہر وقت اُسے علم حاصل کرنے کی دھن رہتی۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ سن بلوغت کی سرحدوں میں داخل ہونے کے بعد ذہین لڑکے بھی شریر لڑکوں کی شرارتوں میں شریک ہوجاتے ہیں لیکن اس طالب علم کو ہر وقت علم کی طلب تھی۔ اُسے اطراف و اکناف کی سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ میٹرک تک عبدالقدیر خان کا ساتھ بڑا اچھا رہا۔ میٹرک پاس ہونے پر انہوں نے ایس بی کالج میں داخلہ لیا۔ ریاض قریشی، سلیم بن سعید اور راقم الحروف نے گورنمنٹ کالج کا رخ کیا۔ مئی کی تعطیلات میں کچھ نہ کچھ کرنے کے خیال سے گھریلو ڈرامہ اسٹیج کرنے کا خیال ہوا۔ جاسوسی ناولیں پڑھ پڑھ کر ایک ڈرامہ لکھا گیا۔ جس میں قیصر الدین انسپکٹر کا کردار ادا کرنے والے تھے عبدالقدیر خان اور شہاب افسر جج کا کردار کر رہے تھے لیکن نسوانی کردار نہ ملنے کی وجہ سے ڈرامہ اسٹیج نہ ہوسکا۔ اس ڈرامے کا چرچا سن کر نورالحسنین بھی اپنی نسوانی سائیکل پر سوار ریہرسل دیکھنے آئے۔ ڈرامہ کا انجام دیکھنے کے بعد قلمی پرچہ نکالنے کا خیال ہوا اور اپنے ساتھیوں کی تخلیقات کتابت کر کے قلمی پرچہ وجود میں آگیا۔ اُس کا نام ماہنامہ ''شب خون'' کی طرز پر ''شب تاب'' رکھا گیا۔ ''شب تاب'' کے مدیر ریاض قریشی اور نائب مدیر قدیر سیفی۔ مجلس مشاورت میں جاوید اختر (جاوید ناصر)، سہیل بیابانی اور سید ظہیر علی تھے۔ اُس کا سرورق مصور غیاث قریشی صاحب نے بنایا تھا۔ ''شب تاب'' کی باضابطہ رسم رونمائی کی گئی اور اس ضمن میں ایک مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ (باقی اگلے شمارہ میں پڑھئے)

مضامین (طنز ومزاح)

مالیگاؤں کا اڑان پُل

●ڈاکٹر آصف فیضی (مالیگاؤں)
موبائل : 9270055443

پل عام طور زمین کے دو حصوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں۔زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ پلوں نے بھی ترقی کی ہے۔اڑان پل اور عرشی پل (اسکائی واک) وغیرہ پل کی نئی قسمیں ہیں۔پہلے ہم ''ہاوڑا برج'' اور ''لندن برج'' کا نام سنتے تھے۔اب انجینئرنگ کے کمال نے ایسے ایسے پل تعمیر کردیئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔دنیا میں نت نئے ڈیزائن کے بے شمار پل موجود ہیں۔انجینئرنگ کے کرشموں میں ایک ''مالیگاؤں کا اڑان پل'' بھی ہے۔کہتے ہیں کہ دنیا کی سب سے بلند و بالا عمارت ''برج خلیفہ'' کو مکمل کرنے میں کم و بیش ساڑھے تین برس لگ گئے۔

ہمارے ''مالیگاؤں کا اڑان پل'' گذشتہ پانچ برسوں سے زیر تعمیر ہے اور اب بھی مکمل نہیں ہوسکا جس سے اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔وہ عمارت ہی کیا جو تین برس میں مکمل ہوجائے۔اس میں کون سی کمال کی بات ہے۔اب انجینئرنگ کے شعبے میں ایسی حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے کہ کم سے کم وقت میں بڑی بڑی عمارت بنائی جاسکتی ہے۔مگر اتنی ترقی کے بعد بھی ایک چھوٹا سا پل تعمیر نا کرپانا، اصل کمال یہ ہے۔نہ جانے یہ ''ڈسکوری چینل'' والے کہاں غائب گئے ہیں کہ اتنے عظیم کارنامے کا آج تک کوئی کوریج نہیں کیا۔ایک مرتبہ پل کی تعمیر مکمل ہوجائے، پھر ہم دنیا کو بتائیں گے کہ شاہکار کس طرح تعمیر کئے جاتے ہیں۔

وہ دن دور نہیں جب دنیا میں پل بنانے کے لئے ''مالیگاؤں پیٹرن'' رائج ہوگا۔یقیناً اس وقت یہ ڈسکوری چینل والوں کو ہمارے در پر ناک رگڑنی ہی پڑے گی۔

سنا ہے کہ بہت سے لوگ اسے ''بڑی جسامت کا ڈھابا'' کہتے ہیں۔ان بے وقوفوں کو ''ڈھابے'' اور ''اڑان پل'' میں فرق کیا معلوم۔کہتے ہیں کہ اس اڑان پل کے گرم توے پر کئی لیڈروں نے سیاسی روٹیاں سینکی ہیں جن میں بعض کی روٹیاں جل گئیں اور بعض نے تو پراٹھے بھی تل لئے۔اس اڑان پل کی تاخیر کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ بہت سے لیڈروں نے اس کی تعمیر کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔جس کے سبب پل لیت ولعل میں پڑ کر التواء کا شکار ہوگیا ہے۔

ہم تو کہتے ہیں کہ یہ روڑے اگر جمع کر لیے جاتے تو ایک اور نیا پل تعمیر ہوسکتا تھا۔ویسے بھی مالیگاؤں میں ایک پل سے کام چلنے والا نہیں، یہاں تو مستقبل میں پلوں کا جال بچھانا پڑے گا مگر جال بچھاتے وقت یہ دھیان رکھنا ضروری ہے کہ کہیں چوہے اسے کتر نہ ڈالیں۔

پل کی تعمیر کے بعد پل کے اوپر اور نیچے کا منظر سوچ کر دل خوشی سے پاگل ہوجاتا ہے۔پل پر دونوں جانب نوجوانوں کو ٹائم پاس کے لئے اور موبائل میں وقت برباد کرنے کے لئے فٹ پاتھ ہوگا۔بچوں کی تفریح کے لیے پل کارآمد ہوگا۔پل کے نیچے پہلے سے زیادہ بے ہنگم ٹریفک، جسے پار کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔پل کے نیچے اتی کرمن کا سیلاب بلا ہوگا جو پل کی رونق دوبالا نہیں بلکہ سہ بالا (شادی والا نہیں) کردے گا۔پل کے نیچے ٹکیہ، بھجیہ، سیخ کلیجی، مٹھائی، چائے اور سوڈے کی دکانیں اور ان سے اٹھنے والی بھینی بھینی خوشبو اور دھواں ایک الگ ہی سماں پیدا کردیں گے۔جن کے سبب دہلی کے ''چاندنی چوک'' کی رونق بھی ماند پڑ جائے گی۔

مستقبل میں پل دھرنا آندولن کے لئے بھی کارآمد ثابت ہوگا۔اپنے مطالبات منوانے کے لیے شہر سے باہر جاکر راستہ روکنے کی محتاجی ختم ہوجائے گی۔راستہ روکنے کے لئے پل ہی کافی ہوگا۔

اڑان پل پر آنے والے خرچ کا مقابلہ دنیا کے بڑے بڑے، عالیشان اور مہنگے پل اور میگا اسٹرکچر بھی نہیں کرپائیں گے۔پھر ہر برس اس کی درستی پر ہونے والا خرچ تو تاج محل کی درستی کے تخمینے کو بھی شرما دے گا۔اس طرح یہ اڑان پل نہ صرف چھوٹا موٹا دھندہ بیوپار کرنے والے بلکہ نیتاؤں کی ترقی کو بھی ایک نئی اڑان عطا کرے گا۔

☆☆☆

کبوتر

● معز ہاشمی (اورنگ آباد)
موبائل : 9372696300

انجانے میں نور جہاں کے ہاتھوں سے کبوتر اُڑ گیا۔شہزادہ نورالدین محمد جہانگیر کے استفسار پر کیسے اُڑا نور جہاں نے اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑے کبوتر کو اُڑا دیا اور کہا صاحب عالم اس طرح۔نور جہاں کی اس معصوم ادا پر شہزادہ جہانگیر بہت خوش ہوئے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ نور جہاں پر غصہ ہوتے۔اگر خدانخواستہ کچھ ایسا ہو جاتا تو جہانگیر نور جہاں کو اپنی ملکہ نہ بناتے اور نور جہاں کے مرمریں ہاتھوں کو اپنے شانوں پر زندگی بھر رکھنے کی تمنا کرتے رہتے، لیکن اس کے برخلاف نور جہاں نے تاحیات اپنے دست نازک کو شانوں پر رکھ کر دور جہانگیری کے الجھے مقدمات کو پلک جھپکاتے فیصلہ کن مرحلوں سے گذار کے کامیاب فیصلے صادر فرمائے اور تاریخ کے صفحات میں شہنشاہ جہانگیر عدل جہانگیری کے لئے زندہ جاوید ہوگئے۔ حاصل مطلب جہانگیر ایک عورت کے دست شفقت سے ہی اپنے عدل وانصاف کے لئے مشہور ہوئے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر کامیاب شخصیت کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ جملہ اکثر و بیشتر ہر بڑے کی تخلیق کے پیش لفظ میں جلی حرفوں میں تحریری شکل میں نمایاں نظر آتا ہے۔ پتہ نہیں وہ اس تحریر سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔کیا وہ اپنے ڈر، خوف اور بھیگی بلی کی خصلت کو دوسروں سے مخفی رکھنے کے لئے ایسے جملہ کو اپنی تحریر میں لاکر سماجی اور ادبی حلقوں میں یہ ثابت کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ۔ وہ عورت کو اس کے تمام حقوق کے ساتھ ایک منفرد مقام بھی دیتے ہیں، بظاہر تو لگتا ہے کہ وہ زن مریدی کے دلدل میں کنول کھلا رہے ہیں، اس طریقۂ کار سے وہ عورت کی نظروں میں اقبال کے شاہین کو دی گئی نصیحت نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کی گنبد پر اس عمل سے وہ عورت کی نظر میں بلندی پر پہنچ کر دوسروں کو خودی کا درس دیتے ہیں۔عورت کے سہارے بلندی پر چڑھنے والوں پر اقبال کا خودی کا شعر قطعی موزوں نہیں ہوتا۔ یہ زمینی کامیابی کے لئے مناسب ہے۔اسی لئے کامیابی کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھتے ہی ہم نے پیچھے مڑکر اپنی رفیق حیات پر اچٹتی نظریں اس امید پر ڈالیں کہ وہ دوڑتی ہوئی آکر ہمارے شانے پر اپنے ہاتھ رکھ دے اور ہم اس کے سہارے سیڑھی پر دوسرا قدم جما سکیں، مگر یہاں تو دست نازک کے لمس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ہماری نصف بہتر اپنی جگہ پوری طرح براجمان نظر آئی۔ ہم نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا ہماری نظروں کی لاچاری کو شاید اس نے پڑھ لیا۔ چارو ناچار دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ بادل نخواستہ ایک کراہ کے ساتھ وہ اٹھی اور دیوار کے سہارے ایستادہ سیڑھی پر کچھ اس شدت بے رحمی اور انتہائی بھونڈے طریقہ سے اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھا کہ سیڑھی کے ساتھ ہمارا توازن بھی طوفان میں ہچکولے کھاتی کشتی جیسا ہوگیا۔ کامیابی کی پہلی ہی سیڑھی پر ہم ادھر میں لٹک گئے۔

بڑی مشکل سے اپنے توازن پر قابو پاتے ہوئے تیز نظروں سے اسے گھورا، پر ان تاب نظروں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو جھاڑتی ہوئی چل پڑی اور ہم جوان ہاتھوں کے سہارے پر ناز کر رہے تھے، یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ ہمارے نصیب میں کامیابی اور شہرت کے لئے وہ دست شفقت ہیں یا نہیں۔ ہمیں دوسروں کی شہرت پر رشک ہونے لگا۔ ہم دوسری سیڑھی پر بیٹھے اپنے نصف کے طعن وتشنوں پر غور کرنے لگے جو اٹھتے بیٹھتے ہمیں نوازتی جارہی تھی۔تمہارے پیچھے انھوں نے لکھنا شروع کیا تھا اور آج انھوں نے اپنی تیسری کتاب کی رسم اجرائی کتنی دھوم دھڑاکے سے کی اور ایک آپ ہیں جو کاغذوں کو صرف کالے پیلے کرکے اس خوش فہمی کا شکار ہے کہ آپ چنندہ ادیبوں کی صف میں کھڑے ہیں۔ اب اس عقل سے معذور کو کیسے بتائیں کہ ان کامیاب ادیبوں کے

شانوں پر ان کی زوجہ محترمہ نے بڑے پیار و محبت سے ہاتھ رکھا تھا، ان کے ہاتھوں کے دباؤ سے کاغذ کے سینے پر شاہکار تحریروں نے جنم لے کر کتابی شکل لے لی۔ بار بار ترکیبوں سے ہم نے چاہا کہ ہم بھی قمر اقبال کی مشہور تثلیث۔

تھے عجب کرب و اضطراب میں ہم
خود کو لفظوں میں منتقل کرکے
سوگئے چین سے کتاب میں ہم

کے مصداق کچھ ایسا کر جائیں، اس کے لئے ہمیں اپنے شانوں پر اپنی نصف بہتر کا دست مبارک بہت ضروری ہے اس کے لئے ہم نے اپنی نصف کے گرد طواف کرنا شروع کردیا کہ ایک آدھ چکر میں ان کا دست شفقت ہماری پشت پر ہی پڑ جائے، پر اس عمل کا الٹا ہی اثر ہوا۔ بار بار وہ دامن بچا کر ہم سے کنارہ کش ہو جاتی اور ہم اپنی پیٹھ لئے رہ جاتے، پھر ہمارے دماغ میں دوسری ترکیب آئی جس میں جسمانی تکلیف کے زیادہ امکانات روشن تھے۔مرتا کیا نہ کرتا ہم نے بیگم کو نا شائستہ کلمات سے نوازا تاکہ اس خفگی میں ان پر قہر وغضب طاری ہو جائے۔ ہمارا مقصد بھی یہی تھا کہ اس عالم قہر وغضب میں وہ ہمیں دو ہتھڑ جڑنے کے موقف میں آجائے اور پھر ان کے ہاتھوں سے اپنے آپ کو زدوکوب کرنے کے بعد ہم کامیابی کی سیڑھیاں چڑھتے جائیں۔ ہماری اس ترکیب عمل کو انہوں نے ہم پر لوٹا دیا اور رسوئی گھر کے اسلحہ حرب سے ہماری خوب خاطر تواضع کی۔ان نوازشات سے ہم برہم ضرور ہوئے لیکن ہم نے کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ مجبوراً ہم نے اپنے ارادۂ کامیابی اور شہرت سے دستبرداری کو مناسب تصور کیا۔ ہم نے تہیہ کرلیا کہ کسی سہارے کے بناء ہی کامیابی کی سیڑھی چڑھنا ہمارے لئے بہتر ہے۔ بقول کسی دانشور :

''سہارے انسان کو کمزور بنا دیتے ہیں۔''

☆☆☆

تعارف و تبصرے

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی منظوم سوانح

شاعر : سراج زیبائی (8296694020)

مرتب : علیم صبا نویدی

اشاعت : فروری ۲۰۲۲ء

قیمت : ۵۰/روپے

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابر۔موبائل : 9326772575

جاذب نظر کور پیج اور دبیز کاغذ کے استعمال سے صرف (۳۲) صفحات پر مشتمل یہ کتاب اردو ادب کے تاریخ کی نہایت اہم کتاب ہے کیونکہ یہ اردو ادب کے ایک سپہ سالار کو پیش کی گئی خراج تحسین ہے۔ یہ منظوم سوانح عمری بھی ہے اور ایک مرثیہ بھی۔ سراج زیبائی نے اس کتاب کی ابتداء میں مناظر عاشق ہرگانوی کو اردو ادب کا میر کارواں قرار دیتے ہوئے ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''ہمیں یہ کہنے میں عار نہیں ہے کہ ڈاکٹر مناظر آسمانِ ادب پر ماہِ کامل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں مختصر لکھنا مشکل ہے۔ اس منظوم سوانح میں میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ آپ کی شخصیت کے تمام پہلو نہ سہی چند پر روشنی پڑ سکے۔''

اس منظوم سوانح کی ابتداء سے پہلے اس کتاب میں مرحوم مناظر عاشق ہرگانوی کے نام ایک سانیٹ اور ایک نظم تلاش درس ہے۔ علیم صبا نویدی کی یہ دونوں تخلیقات پڑھنے والے کو بیحد متاثر کرتی ہیں۔ اس منظوم سوانح عمری کا آغاز سراج زیبائی نے اس طرح کیا ہے ۔

اے جنابِ من مناظر عاشقِ ہرگانوی
شہسوار فن مناظر عاشقِ ہرگانوی
اک معلم ، اک مفکر ، صاحب علم و ہنر
آپ تو یکتائے فن ہیں شخصیت اک معتبر

اس کتاب میں مناظر عاشق ہرگانوی کی زندگی کے اہم واقعات اشعار میں ڈھال کر نہایت عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں۔ آخری تین صفحات پر یادگار لمحات کی شکل میں چند تصاویر شامل کی گئی ہیں۔ اس کتاب کو مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

Siraj Zebayi
Ist floor, Ist corss Aanadrao
Badavane Shivamogga-577201
email:sirajzebayi10@gmail.com

☆

سفیر انشائیہ۔ محمد اسداللہ (تنقید و تحقیق)

مرتب : آسیہ طلعت

اشاعت : ۲۰۲۱ء

قیمت : ۲۵۶ روپے

طباعت : ودربھ ہندی اردو پریس۔کامٹی

مبصر : ڈاکٹر یوسف صابر۔موبائل : 9326772575

۴۳۲ صفحات پر مشتمل مضبوط بائنڈنگ کی یہ کتاب محمد اسداللہ کی حیات، شخصیت اور فن کا تفصیلی جائزہ پیش کرتی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ خود آسیہ طلعت نے تحریر کیا ہے جس کے ابتدائی حصے میں موصوفہ نے تحریر کیا ہے :

''معروف انشائیہ نگار ، ادیب الاطفال اور مراٹھی زبان کے مترجم محمد اسداللہ کے فن اور شخصیت کو واضح کرنے کی غرض سے زیر نظر کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اس کا مقصد ادب میں ان کی خدمات سے متعلق معلومات فراہم کرنا ہے۔ اب تک موصوف کی سترہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جنھیں ادبی دنیا میں داد و تحسین سے نوازا گیا۔ ان میں بیشتر کتابوں کو مہاراشٹر ، اتر پردیش، مغربی بنگال اور بہار اردو اکادمیوں نے انعامات سے نوازا۔ اسٹیج پر پیش کئے گئے ان کے یک بابی ڈرامے بھی انعامات کے مستحق قرار دیئے گئے۔ مہاراشٹر اردو ساہتیہ اکادیمی ممبئی ان کی اردو اور مراٹھی زبانوں کو قریب لانے کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے، اس سلسلے کے خصوصی انعام، سینو مادھو پگڑی ایوارڈ سے سرفراز کر چکی ہے۔''

موصوفہ کا مندرجہ بالا بیان محمد اسداللہ کا اردو ادب میں مقام متعین کرنے میں معاون نظر آتا ہے۔ کتاب میں محمد اسداللہ کا شناس نامہ تحریر ہے جو ان کی حیات اور ادبی کارناموں کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔

کتاب کا ایک حصہ محمد اسداللہ کے نام تحریر کئے گئے مختلف ادیبوں اور دانشوروں کے خطوط پر مشتمل ہے۔ خطوط لکھنے والوں میں وزیر آغا ، شمس الرحمٰن فاروقی، فکر تونسوی، رام لعل ، احمد جمال، یوسف ناظم، زبیر رضوی، بانو سرتاج اور نورالحسنین کے علاوہ دیگر کئی قد آور شخصیات ہیں۔ یہ خطوط سو کے قریب ہیں۔ اگر انھیں محمد اسداللہ کے جوابات کے ساتھ شائع کر دیا جائے تو یہ ایک الگ تصنیف ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں متین اچلپوری کی توشیحی نظم ہے جس میں یہ شعر بھی موجود ہے۔

مجروح زمانے کی مسیحائی ترا کام
اس عالمِ نفرت میں محبت ترا پیغام

''صوفی صاحب'' کے عنوان سے ناصر الدین انصار کا خاکہ بھی شامل ہے جو محمد اسداللہ کی شخصیت کو سمجھنے میں معاون ہے۔ اس کے علاوہ اس میں انٹرویو ، محمد اسداللہ کی کتابوں پر لکھے گئے تبصرے اور کتابوں

میں لکھے گئے محمد اسد اللہ کے پیش لفظ بھی شامل ہیں۔ محمد اسد اللہ کے فن پر لکھے گئے مضامین اس کتاب کا اہم حصہ ہے۔ جن قلمکاروں نے محمد اسد اللہ کے فن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل، ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن، خالد صدیقی، ڈاکٹر وزیر آغا، جمیل آذر، رام لعل نابھوی اور یوسف ناظم بھی شامل ہیں۔ اس کتاب کو ایک دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ ''سفیر انشائیہ۔ محمد اسد اللہ'' یہ ایک ایسی کتاب ہے جو محمد اسد اللہ کے ادبی کارناموں کو صدیوں تک زندہ رکھے گی۔

اس کتاب کو ان پتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

☆ صالحہ بک ڈپو، مومن پورہ، ناگپور

☆ محمد اسد اللہ، ۳۰ر گلستان کالونی، جعفر نگر، ناگپور

موبائل : 9527839706

☆

عکسِ تلاوت

مرتب : محمد عرفان خان سوداگر

اشاعت : ۲۰۲۲ء

قیمت : ۵۵۰ روپے

طباعت : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، دہلی

مبصر : ذکی صدیقی۔ موبائل : 9371062367

''عکس تلاوت'' مرتب عرفان سوداگر کی کتاب اپنے مشفق و مربی استاذ کو پیش کردہ ایک خراج عقیدت کہی جاسکتی ہے۔ محمد عرفان نے بڑی جانفشانی اور مہارت سے اس مجموعے میں رہبر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کے صدر سرسید کالج کے بانی اور اپنے استاذ پروفیسر محمد تلاوت علی پر مختلف معاصرین علم و ادب اور نامور شخصیات کی تحریروں کو یکجا کیا ہے تا کہ تعلیمی مشن کو عام کرنے کے لئے اٹھی اور سرسید احمد خان کی تحریک کو اپنے شہر و علاقے میں فروغ دینے والی اس شخصیت کے تعارف کو عام کرتے ہوئے ملت کے اہل علم کو علم کی دولت بانٹنے کے لئے آمادہ کیا جاسکے۔ عرفان سوداگر نے خود کتاب کے مقدمے میں تحریر کیا ہے ''یہ کتاب سرسید احمد خان کے تعلیمی مشن کو آگے بڑھانے والے ایک ہمدرد قوم اور بانی سرسید کالج کا یادنامہ ہے۔'' سرسید کالج کے ابنائے قدیم کی جانب سے شائع کردہ اس کتاب میں جہاں ابتداء میں ملک و ریاست کی نامور علمی، سماجی، سیاسی شخصیات اور صاحبان مسند کے پیامات مبارکباد و ستائش ناموں کو شامل کیا گیا ہے وہیں بانی سرسید کالج مرحوم پروفیسر تلاوت علی صاحب کی حیات و خدمات پر قومی و بین الاقوامی سطح کے مشاہیر قلم کے سیر حاصل مضامین شامل کتاب ہیں۔ ''عکس تلاوت'' پروفیسر محمد تلاوت علی، حیات و خدمات کے عنوان سے ۴۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے ۳۷۸ صفحات پر اردو زبان و ادب کے قلمکاروں کے مضامین اور بقیہ صفحات پر مراٹھی ہندی و انگریزی کے مضامین شامل ہیں۔ دیدہ زیب ٹائٹل اور کور پیج کے ساتھ مضبوط جلد کی یہ کتاب قارئین کے لئے پیش کی گئی ہے۔ کتاب کی پشت پر اردو کے دو مؤقر اکابر پروفیسر عتیق اللہ اور پروفیسر اختر الواسع کی تحریروں کے اقتباسات ہیں۔ یہ کتاب ہر مکتب فکر کے تشنگان علم کے مخزن علمی میں اضافے کا باعث بنے گی اور پروفیسر محمد تلاوت علی صاحب کی سیرت و کارناموں کا ایک بہترین دستاویزی تعارف نامہ ثابت ہوگی۔ حصول کتاب کے لئے خود مرتب محمد عرفان خان سوداگر سے ان کے موبائل نمبر 9209200000 پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ ☆

''خوشبوئے ریحان'' مضامین کا مجموعہ

مصنف : ڈاکٹر ریحان احمد قادری

اشاعت : ۲۰۲۳ء

قیمت : ۵۳۰ر روپے

طباعت : مرکزی پبلی کیشن نئی دہلی

مبصر : ذکی صدیقی۔ موبائل : 9371062367

خوبصورت دیدہ زیب مضبوط مجلد ٹائٹل کے ساتھ ۱۸۰ر صفحات پر مشتمل اس کتاب میں علم و ادب اور سماج کی مختلف جلیل القدر ہستیوں کی حیات اور خدمات کی خوشبو بکھیری گئی ہے۔ ان اکابر میں وہ عظیم المرتبت نام بھی شامل ہیں جو اپنے حصے کے کارہائے نمایاں انجام دے کر اپنی خدمات و تحریروں کی شکل میں حیاتِ جاوداں پاکر دنیا سے رخصت ہوگئے، معدودے ایسے مضامین بھی شامل کتاب ہیں جو ان شخصیات کا تعارف پیش کرتے ہیں جو ابھی بقید حیات ہیں۔ کتاب ''خوشبوئے ریحان'' میں جملہ ۲۱ر مضامین ہیں جو یقیناً بڑی عرق ریزی کے غماز ہیں۔ پیش لفظ اور کتاب کے مصنف ڈاکٹر ریحان احمد قادری پر پروفیسر عبدالمنان طرزی کی لکھی ایک تعارفی نظم کے بعد اصل کتاب کے مضامین میں اولین مضمون مولانا ابوالکلام آزادؒ پر تحریر کردہ ''مولانا ابوالکلام آزاد اردو ادب کے خدمت گار'' ہے۔ اس مضمون میں آزاد کی پیدائش، تعلیم و تربیت اور زندگی کے اتار چڑھاؤ، صحافتی و ادبی زندگی اور اس رہ گذر کی دقتوں، درپیش خارزاروں اور قدغنوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ریحان نے مولانا آزاد کی تحریر کردہ کتابوں کی تعداد، ان کی قلم کاری کے جوہر اور مختلف ذی وقار و صاحب قلم اکابر کے حوالے جات کو نقل کر کے مضمون کو جاندار بنادیا ہے۔ (باقی صفحہ ۶۳ پر)

اخبار عکس ادب

محفل افسانچہ خوانی، مشاعرہ و رسم اجراء

اورنگ آباد۔ بتاریخ ۱۰ر مئی ۲۰۲۳ء بوقت دوپہر دو بجے بروز بدھ بمقام رہائش سرتاج شاکر (سابق ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر ضلع پریشد اورنگ آباد)، روبرو پاکیزہ فنکشن ہال، عقب آئی کان ہاسپٹل، رشید پورہ کارنر، اورنگ آباد منجانب ''عکس ادب'' اردو (سہ ماہی) اورنگ آباد محفل افسانچہ خوانی، مشاعرہ و گوشۂ چشتی سلیم بیدرؔد ''عکس ادب'' کا اجراء منعقد ہوا۔ غلام ثاقب (بیڑ) کی تلاوت قرآن پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ ابتداء میں تمام صدور، مہمانان و شعراء اور ادباء کو پھول پیش کئے گئے۔ بیڑ سے آئے مہمان شاعر ارشد صدیقی، ندیم مرزا و غلام ثاقب نے محفل افسانچہ کے صدر ڈاکٹر عظیم راہی، چشتی سلیم بیدرؔد اور ڈاکٹر یوسف صابرؔ کو شال دے کر گلوں کے ہار پہنائے۔ محفل افسانچہ خوانی میں غلام ثاقب، ندیم مرزا اور ارشد صدیقی (بیڑ)، معز ہاشمی، ڈاکٹر عزیز عرفان، ڈاکٹر یوسف صابرؔ و صدر ڈاکٹر عظیم راہی نے اپنے منتخب افسانچے سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔ ڈاکٹر عظیم راہی نے موجودہ دور میں افسانچوں کی اہمیت و افادیت اور فنی لوازمات پر بات کی اور پڑھے گئے افسانچوں کا تجزیہ بھی کیا۔ محفل افسانچہ خوانی کی نظامت ڈاکٹر یوسف صابرؔ نے بحسن و خوبی انجام دی۔ دوسری نشست میں ڈاکٹر دوست محمد خان کے دست مبارک سے ''عکس ادب'' کی اجرائی کی رسم ادا کی گئی۔ اجراء سے پہلے ڈاکٹر رافع (ناندیڑ)، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر، محترمہ تہذیب شیرازی، چشتی سلیم بیدرؔد اور دوست محمد خان صاحب نے اپنے زرین خیالات کا اظہار کیا۔ دوران پروگرام ڈاکٹر یوسف صابرؔ نے بنام چشتی سلیم بیدرؔد ایک توشیحی نظم فریم کر کے چشتی سلیم بیدرؔد کو پیش کی۔ چشتی سلیم بیدرؔد کو ''عکس ادب'' ایوارڈ بدست محترمہ عتیقہ اطہر موسیٰ (سابق صدر معلّمہ نیشنل برہانی پرائمری اسکول، اورنگ آباد) اور محترمہ تہذیب شیرازی (زوجہ چشتی سلیم بیدرؔد) دیا گیا۔ اس جلسے کی نظامت ڈاکٹر رفیع الدین ناصر نے نہایت عمدگی سے کی۔ رسم اجراء کے بعد ایک پُروقار مشاعرہ منعقدہ ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت پربھنی کے مشہور و معروف استاد شاعر اور ماہر علم عروض شفیع احمد شفیع نے فرمائی۔ اس مشاعرے میں عبدالواحد جاذبؔ، وحید اسلم (پربھنی)، علیم طاہر، ڈاکٹر ذاکر خان ذاکر (ممبئی)، چشتی سلیم بیدرؔد (پربھنی)، ارشد صدیقی (بیڑ)، غلام ثاقب (بیڑ)، ندیم مرزا (بیڑ)، ڈاکٹر یوسف صابرؔ (اورنگ آباد)، ڈاکٹر سلیم نواز جعفرآبادی (اورنگ آباد)، طٰہٰ صدیقی (پربھنی)، احمد اورنگ آبادی، ڈاکٹر نصرت حنفی، جمال چشتی اور وسیم راہی (اورنگ آباد) اور صدرِ مشاعرہ شفیع احمد شفیعؔ نے اپنا منتخب کلام سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔ دورانِ مشاعرہ ڈاکٹر دوست محمد خان غزل سنگر نے بہترین انداز سے استاد شعراء کی غزلیں گا کر سامعین سے خوب داد و تحسین حاصل کی۔ ناندیڑ سے تشریف لائے اعجاز احمد (غفار راہی کے فرزند) نے غفار راہی کی ایک بہترین حمد سنا کر سامعین کا دل جیت لیا۔ مشاعرے کی نظامت ڈاکٹر سلیم نواز جعفرآبادی نے نہایت دلکش انداز سے کی۔ اس پروگرام میں بحیثیت مہمانان خصوصی، محترم عطاء اللہ شاہ، اختر خان صاحب، محترم سید مسعود احمد قیصر، ادریس محمد فاروقی اور ڈاکٹر رافع (ناندیڑ) موجود تھے۔ اس پروگرام کے کنوینر ابراہیم خان صاحب (سابق سپرنٹنڈنٹ آف سینٹرل ایکسائز) کے شکریہ کے ساتھ پروگرام کا اختتام ہوا۔

☆☆☆

ایم ایم ٹاور پر شعری نشست کا انعقاد

پربھنی۔ ۱۸رمئی بروز جمعرات شب دس بجے بمقام ایم ایم ٹاور شاہی کارنر (پربھنی) منجانب عبدالواحد جاذبؔ بضمن جشن شادی دختر نیک اختر عبدالواحد جاذبؔ ایک شعری نشست کا انعقاد عمل میں آیا، جس کی صدارت پٹھان سمیع اللہ خان (سابق لیکچرر کے کے ایم کالج مانوت) نے کی اور بطورِ مہمانانِ خصوصی اعظم ہاشمی و مجیب فاروقی (انجینئر) جلوہ افروز تھے۔ نظامت کے فرائض ارشاد ضیاء نے بحسن وخوبی انجام دیئے۔ نشست کا آغاز شفیع احمد شفیع کی حمد پاک سے ہوا۔ ہدیۂ نعت کا نذرانہ محمد کیفی نے پیش کیا۔ جن شعراء کرام نے سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ کیا اُن میں شفیع احمد شفیع، مجیب فاروقی، عبدالواحد جاذبؔ، وحید اسلم، حبیب ہاشمی، طٰہٰ صدیقی، سیفی اعظم سیف، جاوید انصاری، شاکر خان شاکر پرتوری، محمد کیفی اور رئیس عاجزؔ پرتوری کے نام شامل ہیں۔ سب ہی شعراء کے کلام کو سامعین کی جانب سے خوب داد وتحسین حاصل ہوئی۔ صدر نشست ومہمانانِ خصوصی نے اردو کے فروغ اور زبان کی افادیت پر اپنے زرین خیالات کا اظہار کیا۔ اِس نشست کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں بالخصوص سعید پاشاہ، محمود خان (مالک ایم ایم ٹاور)، ذاکر قریشی اور شیخ عادل کا اہم کردار رہا۔ عبدالواحد جاذبؔ کے اظہار تشکر پر اِس پُروقار نشست کا اختتام عمل میں آیا۔

☆☆☆

☆☆☆☆

شفیع احمد شفیع پربھنی کا دوسرا شعری مجموعہ ''اعراب چشم'' کا منصف ٹی وی چینل کے آفس میں اجراء ومشاعرہ

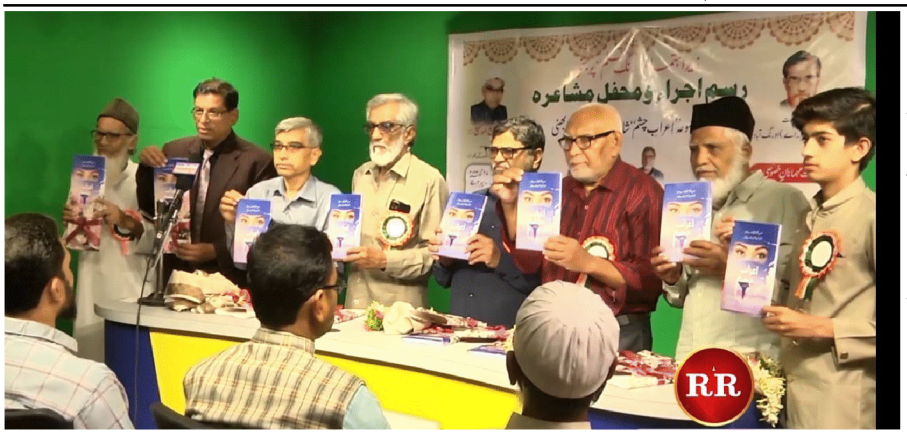

پربھنی۔ بتاریخ ۲۷رمئی بروز سنیچر منجانب ''رنگ قلم'' پربھنی حیدرآباد کے منصف ٹی وی چینل کے آفس میں شفیع احمد شفیع کا دوسرا شعری مجموعہ ''اعراب چشم'' کا باوقار رسم اجراء صدر مشاعرہ احمد خان (ایم اے) ومہمانان خصوصی شفیع احمد قریشی (صدر مدینۃ العلوم سوسائٹی ناندیڑ) وصغیر احمد خان (سابق چیف جنرل منیجر ایچ آر۔ ایم ایس پی جی سی ایل مہاراشٹر) و سابق پروفیسر جلیل احمد (ناندیڑ) کے دست مبارک سے عمل میں آیا۔ جس کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر یوسف صابرؔ، مدیر سہ ماہی ''عکس ادب'' اورنگ آباد نے کی۔ مشاعرہ کا آغاز کہنہ مشق نعت گو شاعر عبدالرحیم مضطر کی نعت پاک سے ہوا۔ ناظم مشاعرہ شفیع احمد شفیع نے جن شعراء حضرات کو یکے بعد دیگر زحمت کلام دی ان میں عبدالرحیم مضطر، ڈاکٹر یوسف صابرؔ (اورنگ آباد)، وحید اسلم، سید کریم اللہ حسینی نیر، شاکر خان شاکرؔ پرتوری، رئیس عاجز پرتوری کے نام شامل ہیں۔ خود ناظم مشاعرہ نے بھی اپنا منتخب کلام پیش کیا اور خوب داد وتحسین حاصل کی۔ صدر مشاعرہ ومہمانان خصوصی نے عمدہ خیالات کا اظہار فرمایا اور صاحب کتاب شفیع احمد شفیع کو مبارکباد پیش کی۔ ہر دو تقاریب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں عبدالرؤف، حسین شرف، حبیب قادری اور شاداب احمد خان کا اہم کردار رہا۔ شفیع احمد شفیع کے اظہار تشکر پر مشاعرہ کا اختتام عمل میں آیا۔

خطوط عکس ادب

۱۱/جون ۲۰۲۳ء

جناب ڈاکٹر یوسف صابر صاحب السلام علیکم امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر ہو گا۔آپ کا پرچہ کا مشاعرہ بڑھیا رہا ہوگا۔بہت بہت مبارک۔شمارہ کب تک آرہا ہے۔آپ نے اس ماہ کے آخر تک آئے گا کہا تھا۔شاید شمارہ کا کام مکمل ہو گیا ہوگا۔جواب سے مطلع کریں۔انتظار رہے گا۔باقی سب ٹھیک۔

ارشد صدیقی (بیڑ)

☆

۲۰/جون ۲۰۲۳ء

السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ

طویل خاموشی کے بعد مخاطبت کے لئے معذرت کا طالب ہوں، اللہ آپ کو اپنی نوازشات سے سرفراز فرمائے۔ایک خاکچہ اور تین افسانچے مرسل خدمت ہیں،شاید آپ کو پسند آجائیں،نوازش،کرم۔

دعا گو

ندیم مرزا

☆

۱۹/جون ۲۰۲۳ء

ڈاکٹر یوسف صابر مدیر عکس ادب اورنگ آباد

سلام مسنون

ایوان اردو دہلی مئی ۲۰۲۳ء جلد ۳۷ شمارہ ایک میں صفحہ نمبر ۲۷ پر میرا مضمون ''اردو شاعری میں مذاہب اور کلچر'' پڑھیں اور اپنی رائے دیں۔نوازش ہوگی۔

آپ کا مخلص

خلیق الزماں نصرت (بھیونڈی)

☆

۱۱/مئی ۲۰۲۳ء

ڈاکٹر یوسف صابر مدیر عکس ادب اورنگ آباد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ

ماشاءاللہ حسب سابق کی طرح یہ پروگرام بھی کامیاب رہا۔بہت بہت دلی مبارکباد۔اجراء کے موقع پر لی گئی تصاویر ضرور بھیجیں۔فرصت ہو تو میرے غریب خانہ پر ضرور تشریف لائیں۔انشاءاللہ تفصیلی گفتگو ہوگی۔چشتی سلیم بیدر حقیقت پسند شاعر ہیں،اُن کی تخلیقات نے بہت متاثر کیا۔اِن کے خصوصی گوشہ کے لئے آپ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

عطاءاللہ شاہ (اورنگ آباد)

موبائل : 9834428159

بقیہ: تعارف وتبصرے

اسی طرح دوسرے مضمون میں ناول وافسانہ نگار اور سماج کی دکھتی وحساس رگوں پر انگلی رکھ کر معاشرے کے امراض کی تشخیص کرنے والے قلمکار منشی پریم چند کی پیدائش اور ان کی حیات وادبی خدمات اور اسلوب کا تعارف پیش کیا ہے۔داستان نگار خلیل خان،ہندوستان میں زبان اردو کے فروغ کے محترک جان گلکرسٹ،شعروادب کی مایہ ناز آواز کلیم عاجز کے علاوہ اردو ادب کے نامور خادم اور سفیر اردو کے نام سے معروف گوپی چند نارنگ (جنھوں نے اردو کے حوالے سے دنیا بھر کے اسفار کئے) کا ڈاکٹر ریحان قادری نے احاطہ کیا۔خوشبوے ریحان میں گوپی چند نارنگ کی شخصیت،فن وخدمات کا احاطہ کرکے ان سے متعلق لکھا ہے کہ وہ ہندوستانی تہذیب وثقافت کا ایک جیتا جاگتا اور جگمگاتا ہوا آفتاب ہے۔جنھیں بابائے ادب کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ خوشبوئے ریحان میں مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر وہاب اشرفی،شمس الرحمان فاروقی،مظفر حنفی، پروفیسر لطف الرحمٰن،ڈاکٹر حنیف ترین، پروفیسر مولا نا بخش،مشرف عالم ذوقی،نظم نگار مرغوب اثر فاطمی ودیگر معروف شخصیات پر مضامین ہیں۔علاوہ ازیں ڈاکٹر ریحان نے عناوین اکیسویں صدی میں اردو کا تذکرہ،نبیوں میں تاج والے ایک تعاف، بہار میں بچوں کا ادب اور حیدر وارثی کی شاعری کا مطالعہ کے تحت بھی پُرمغز تحریریں حوالۂ قرطاس کی ہیں۔ڈاکٹر ریحان قادری لکھنے لکھانے میں طاق وکہنہ مشق قلمکار ہیں اور ڈھیر ساری ڈگریوں کے امین ہیں۔زیرنظر کتاب ان کی پانچویں کتاب ہے۔یہ کتاب اردو کے اکابرین کی حیات وخدمات کے تعارف کی حیثیت سے ایک دستاویز کہی جاسکتی ہے۔ڈاکٹر ریحان چونکہ دربھنگہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے تحریر میں کہیں کہیں بہاری زبان کا اثر دکھائی دیتا ہے۔علاوہ ازیں تحریر میں تذکیر وتانیث اور صیغہ جات کے برتنے میں بھی سہو ہوئے ہیں۔یہ کتاب اس پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

ڈاکٹر ریحان قادری،کتب خانہ فیضیہ۔۱۹۶۵ء،فیض روڈ،سرائے ستار خان،دربھنگہ (بہار)

باسمہ تعالیٰ

توجہ طلب بیانِ شاہ

برادرم یوسف صابر صاحب نے ''عکسِ ادب'' کے جنوری تا مارچ ۲۰۲۳ء کے شمارے کا ایک حصہ میرے لیے اور میری شاعری خصوصاً رباعی کے لیے مختص کیا۔ اِن کی محبت ہے۔ ویسے تو یہ میرے علم واطلاع کے بغیر ہوا ہے، پھر بھی میں ان کا شکر گزار ہوں۔ اس شمارے میں بعض باتیں نہ آسکیں، ان کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں۔ شخصی کوائف پرانے ہیں۔ اب میرا موبائل نمبر ۷۰۳۰۳۳۱۳۴۹ ہے۔

(۱) میں ۲۰۰۰ء میں وظیفہ حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوا۔ تب سے اپنے وطن اورنگ آدکن میں میرا قیام ہے۔

(۲) اب میں کتابی سلسلہ ''عالم گیر ادب'' کی بزم کا ایک رکن ہوں۔

(۳) ''عالم گیر ادب'' کی چوتھی کتاب ''شاہ حسین نہری، فن اور شخصیت'' کے مدیر عارف خورشید مرحوم تھے، لیکن ان سے بعض غیر متعلق وجوہ سے اس کتاب میں بہت سی غلطیاں راہ پا گئی ہیں اس لیے اس کے کئی نسخے اب تک میرے پاس پڑے ہیں۔ جن کے پاس بھی یہ کتاب ہے وہ مجھ سے ربط قائم کر سکتے ہیں (جزوی درستی کے لیے۔)

(۴) میرے پرائمری اسکول کا نام ''مدرسہ تحتانیہ مرکزی جونا بازار'' تھا۔

(۵) میری پہلی بیوی عارفہ گلبدن بانو ۲۵ر جولائی ۲۰۱۰ء کو طویل علالت کے بعد اس دنیا سے سدھار گئیں۔ ان کی یاد میں جو رباعیاں کہی ہیں وہ ''گلبدن کی یاد میں'' شامل ہیں۔

(۶) ۲۷ر اگست ۲۰۱۶ء کو حُسینہ بیگم بنتِ قاضی بدرالدین صاحب (مرحوم) سے میں نے دوسری شادی کی۔ اب یہ میرا خیال رکھتی ہیں۔

(۷) میرا فرزند سید فرید احمد نہری ملیہ سینئر کالج، بیڑ کے شعبہ اردو میں اسوسی ایٹ پروفیسر ہے۔

(۸) میری دختر سید فرّافاطمہ نہری اسی کالج کے شعبۂ ریاضی میں اسوسی ایٹ پروفیسر ہے۔

(۹) ۲۰۰۹ء تک رباعی کے دو مطبوعہ دیوان صرف شاہ حسین نہری کے تھے۔ یہ پروفیسر محمد علی اثرؔ کی تحقیق ہے۔

(۱۰) قصیدہ میں نے نہیں لکھا۔

(۱۱) م۔ ناگ مرحوم (مختار سید) نے مجھے ''پیر پرستی کا رسیا'' لکھا ہے۔ اللہ کی پناہ! پیر پرستی کو میں بالکل غلط سمجھتا ہوں۔ تصوف سے بھی میرا ''یارانہ'' نہیں ہے۔

(۱۲) الحمدللہ میرے کلام کا مجموعہ (کلیات) 'گُل کُنج' کے نام سے ان شاءاللہ جلد شائع ہوگا۔

والسلام

طالبِ دعا

شاہ حسین نہری

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

April to June 2023
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 12 Issue 43
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

یادگار لمحات

(۱) ایک شعری نشست میں پروفیسر عبدالوہاب جذبؔ ، رضاؔ جالنوی ، عبدالحمید اورنگ آبادی، واجد یوسف زئی، سراج وہاب (خلیج ٹائمز)

(۴) رسالہ ''تعلیمی سفر'' لاتور کے زیر اہتمام رضاؔ جالنوی نمبر کے اجراء کے موقع پر (دائیں سے بائیں) خلیل احمد صدیقی (مدیر تعلیمی سفر)، ایس ایم قمر (صدر بلدیہ خلد آباد)، شعیب خسرو (مدیر اعلیٰ اورنگ آباد ٹائمز)، صاحب اعزاز رضاؔ جالنوی، صدر مجلس ڈاکٹر صدر الحسن، نور الحسنین، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر، خان شمیم، احمد اقبال، منتجب الدین چشتی۔

دائیں سے پروفیسر دوست محمد خان، اسلم مرزا، رضاؔ جالنوی، فاروق شمیم، احمد خان (ایم۔اے)

مولانا آزاد ریسرچ سینٹر اورنگ آباد کا عظیم الشان مشاعرہ دائیں سے رضاؔ جالنوی، حامد بھساولی، عزم شاکری

(۸) ''پاسبانِ اردو ادب'' اورنگ آباد کی جانب سے رضاؔ جالنوی کو ایوارڈ سے نوازتے ہوئے الحاج محسن احمد (سابق کارپوریٹر) اسلم مرزا اور ڈاکٹر عظیم راہی۔

(۳) ناولٹی فرینڈز گروپ کی جانب سے رضاؔ جالنوی کا پرتپاک استقبال

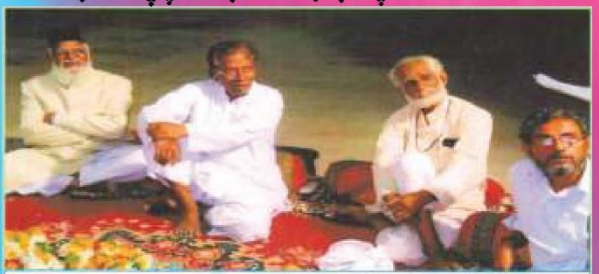

بزم سراج دکن کی شعری محفل میں دائیں سے ناظم رضا جالنوی، محسن جالنوی، خلیل الہ آبادی اور پروفیسر عبدالوہاب جذبؔ

اقبال اکیڈمی کے تقسیم ایوارڈ کے موقع پر احمد اقبال، رضاؔ جالنوی اور اسلم مرزا

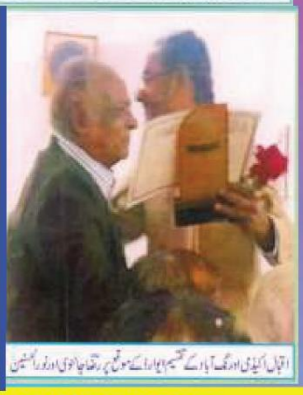

اقبال اکیڈمی اورنگ آباد کے تقسیم ایوارڈ کے موقع پر رضاؔ جالنوی اور نور الحسنین

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

April to June 2023
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.co.in

ISSN 2320-6519
Volume 12 Issue 43
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

۱۰؍جون ۲۰۲۳ء بمقام صباء فنکشن ہال، امبہ جوگائی، ڈاکٹر عقیلہ غوث کی دختر کی منگنی کے موقع پر ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر سلیم محی الدین اور ڈاکٹر قاضی نوید، منگیتر عاصم کے ساتھ

۱۰؍مئی ۲۰۲۳ء بمقام رہائش سرتاج شاکر، رشید پورہ، اورنگ آباد محترمہ عتیقہ اطہر موسیٰ و اپنی شریک حیات تہذیب شیرازی کے دست مبارک سے ''عکس ادب'' ایوارڈ حاصل کرتے ہوئے چشتی سلیم بیدرد۔ ساتھ میں ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر، ادریس محمد فاروقی (عسکری) اور ڈاکٹر دوست محمد خان۔

ابراہیم خان ، ڈاکٹر یوسف صابر ، علیم طاہر ، ڈاکٹر رافع ، ڈاکٹر دوست محمد خان ، ڈاکٹر ذاکر خان ذاکر، طٰہٰ صدیقی اور ڈاکٹر عظیم راہی۔

بروز جمعرات مورخہ ۱۹؍جنوری ۲۰۲۳ء کو جے ای ٹی سینئر کالج کے شعبۂ اردو کی جانب سے انٹر کلاس نعت خوانی مقابلے کے موقع پر ڈاکٹر یوسف صابر طالبات سے خطاب کرتے ہوئے۔ اسٹیج پر ڈاکٹر فہمیدہ انصاری (صدر شعبہ اردو) کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد ہارون و دیگر مہمانان دیکھے جاسکتے ہیں۔

۳۱؍مئی ۲۰۲۳ء بمقام فلک نما فنکشن ہال، ڈاکٹر سلیم نواز کی دختر کی شادی کی تقریب میں ڈاکٹر یوسف صابر، ڈاکٹر سلیم نواز، سید سعود احمد، تنزیل احمد خان اور دولہا شارق شیخ

۲۹؍اپریل ۲۰۲۳ء بمقام اے آر گارڈن، بودھن سمیع الدین دیگلوری کے فرزند کے ولیمہ کے موقع پر۔ ڈاکٹر یوسف صابر، دولہا سید وسیم الدین، سید سمیع الدین دیگلوری، احمد سیٹھ، عقیل سرود دیگر معزز حضرات

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)